متاع
عَزیز



محمد عزیز یار خان یارؔ

متاعِ عزیز

محمد عزیز یار خان یآر

ترتیب و اہتمام برقی اشاعت

• قدیر یار خان

• راشد اسحاق

تزئین و برقی کتابت

• صائمہ اسحاق

انتساب

محمد شفیق یار خان

(عرف اچھن میاں)

کے نام

ترتیب فہرست

تبصرے ومقدمہ

شاعری

غزلیات

5۔وہ دل جو تیری الفت میں مبتلا نہیں ہے

6۔وہ کبھی میرے گھر نہیں آتا

7۔تجھے میرا زمانہ ڈھونڈ لے گا

8۔فرمایئے تو مجھ سے ہوا کیا قصور آج

9۔ہر شے میں دیکھتا ہوں اسی کو میں جلوہ گر

10۔میں نے دیکھا ہی نہیں اے گردشِ لیل و نہار

11۔جذبۂ شوقِ شہادت لے چلا قاتل کے پاس

12۔حسن خود دے رہا ہے دعوتِ عام

13۔ہر ایک شے کو نظر سے گزار رہا ہوں میں

14۔قریب تر ہوں میں ان سے ضرور کوئی نہیں

15۔وہ بات جو ہے ان کی معصوم دلکشی میں

16۔یہ بھی قسمت نے دن دکھائے ہیں

17۔سنتا آیا ہوں یہی لوگ کہا کرتے ہیں

18۔زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

19۔جو فدائے حبیب ہوتے ہیں

20۔نام میرا سرِ فہرست ہے دیوانوں میں

21۔ کیا ستم ہے ساقیا تو ہی بتا میں کیا کروں

22۔ اٹھا جب پردۂ حسنِ نظر آہستہ آہستہ

23۔ وہ سامنے آ آ کر چھپ جائیں تو کیا کہیے

24۔ تمہیں آزمانے کو جی چاہتا ہے

25۔ بیٹھے بیٹھے خیال نہ جانے کس کا دل میں آتا ہے

26۔ ہے یہ زیرِ نقاب کیا جانے

27۔ زلفوں کو اپنے رخ پہ سنوارا نہ کیجئے

28۔ جو بھی آیا وہ باادب آیا

29۔ حسنِ خفتہ جگا دیا میں نے

30۔ کیا ہوں کون ہوں میں آپ نے پہچانا بھی؟

31۔ مجھے بھی کاش دیدارِ رُخِ پُرنور ہو جائے

32۔ جان پھر جان ہو گئی ہوتی

33۔ سنے ہیں لوگوں سے خود میں نے اپنے افسانے

34۔ اب ان کی محبت تو چھپائی نہیں جاتی

35۔ حسن اس کا بھلا سا لگتا ہے

36۔ اتنا وقارِ عشق تو پیدا کرے کوئی

37۔کرلیا کیوں منتخب مجھ کو ستانے کے لیے

38۔کرم نواز کرم تیرا عام ہو جائے

39۔آئے ہیں وہ شبِ فرقت نہ قضا آئی ہے

40۔طے اپنی زندگی کا سفر کر رہا ہوں میں

41۔آیا تھا میرے سامنے خود حسن پیش تر

42۔کرلیا میں نے دنیا میں اب اس کا انتخاب

43۔تری جستجو میں کب تک میں پھروں گا مارا مارا

44۔کچھ دیکھنے والوں کو مرا پاس نہ آیا

45۔ہر شے میں عکسِ حسنِ رُخِ یار دیکھنا

46۔حکم ہے نشر محبت کی کہانی نہ کریں

47۔اس کی نگہٗ ناز سے اللہ بچائے

48۔شعاعِ مہر سے کچھ ساز بازِ شبنم ہے

49۔گر نہیں غم سے آشنا آدمی آدمی نہیں

50۔اشکِ غم آنکھ میں آ آ کے مچل جاتے ہیں

51۔ہماری کائناتِ زندگانی دیکھتے جاؤ

52۔نہ جانے مجھ سے عداوت ہے کیوں زمانے کو

53۔نگاہِ شوخ اپنی جس طرف اس نے اٹھا دی ہے

54۔کس نے اپنی جھلک دکھائی ہے

55۔سکونِ زندگی حاصل نہیں ہے

56۔گلوں پہ جو شبنم گری روتے روتے

57۔خوب ہے ان کی دل ستانی بھی

58۔یہ تقاضائے حسنِ فطرت ہے

59۔یہ حقیقت ہے حقیقت جو تری جان گئے

60۔دل میں وہ بیٹھے ہوئے ہر چند تابندہ رہے

61۔سرِ شامِ غم جو چراغِ دل ترے انتظار میں جل گئے

62۔میں خوش ہوتا ہوں جب کوئی ستم ایجاد ہوتا ہے

63۔کب سے رواں دواں ہیں محبت کے قافلے

64۔ہر چند حسن و عشق میں کچھ رابطے ہوئے

65۔یادان کو بے پناہ کیے جا رہا ہوں میں

66۔آبرو رکھنی ہے مجھ کو تری یکتائی کی

67۔کرتے ہیں برہمی کو فرو عاجزی سے ہم

68۔وہ فضاؤں میں ہیں نہ ہیں گل میں

69۔شخصیت وہ نظر نہیں آتی

70۔کوئی دیکھے تو کہ کیا مانگا تھا کیا دینے لگے

71۔میرے دل کا سکوں تھی ان کی ذات

72۔آ شوق سے تو مجھ کو ستانے کے لیے آ

73۔پہلے تو جب ہم ملے صاحب سلامت ہو گئی

74۔میں ہوں بے کس اور عصیاں بے شمار

75۔میرا اب کوئی شریکِ غم نہیں

76۔فریبِ چشمِ آئینہ نہیں تھا

77۔اچھی نہیں اپنوں سے یہ آپ کی روپوشی

78۔مجھ کو جو اپنے دل سے سراسر بھلائے ہے

79۔آتشیں گلہائے فرقت سے چمک اٹھا ہے باغ

80۔یوں تو آتے اور جاتے ہیں بہت

81۔اُن کا کرم جو پہلے تھا وہ اب کرم نہیں

82۔قیس و لیلیٰ کی کہانی اور ہے

83۔ترے جلوے ہیں سحر آگیں نہاں ہو کر

84۔کرتا ہوں میں برداشت ہر اک کرب و بلا کو

نظمیں

شخصیت اور شاعری

کہتی ہے مجھ سے لذتِ آزارِ ہجرِ یار

اچھا ہے دردِ دل کو نہ اچھا کرے کوئی

محمد عزیز یار خان آیار کی غزل کے ہر شعر میں الفاظ کی بندش بڑی سادگی اور سلیقے سے ملتی ہے ایسا لگتا ہے ہے کہ الفاظ میں رقصاں ہے دل کی دھڑکن۔ یعنی الفاظ کی نبضوں میں خونِ جگر رواں دواں ہے۔ان کی ہر غزل میں یہی محسوس ہوا۔

میں نے کچھ اُن سے کہا ہو جیسے

محمد عزیز یار خان آیار نے یوں تو متعدد نظمیں کہی ہیں مگر اپنے مجموعے لذت آزار میں چار نظموں کو شامل کیا ہے جن میں "فریبِ وفا" اور "روٹھنے والے"

قابلِ ذکر ہیں۔ نظم "فریبِ وفا" میں محمد عزیز یار خان آیار نے جو اشعار کہے ان سے ان کے تخیل کی رنگینی، خیال کی بلندی اور مشاہدات کا عمیق مطالعہ محاکاتی شکل اختیار کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

غزل کی عزت و آبرو کا خیال محمد عزیز یار خان آیار کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رہا ہے وہ غزل کے حسن کو بے نقاب کرنے کے بجائے اشارے میں بات کہنے کے فن کو اپنا ناز یادہ پسند کرتے ہیں۔ یعنی دل کی بات بھی کہہ دی جائے اور راز بھی نہ کھلے۔ یہ سچ ہے کہ روایات اور ماحول کے ساتھ ساتھ محبت کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے محبوب کا تصور بھی بدل جاتا ہے۔ مگر ایسی شاعری جس سے محبوب کا راز افشا ہو، اس کی رسوائی ہو، اس کی عزت پر حرف آئے یہ عشقِ صادق کو گوارا نہیں ہوگا۔ غزل کی اشاریت اور رمزیت نے اس کا دامن مالا مال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ غزل اپنی غنائی خصوصیت کے باعث افسردہ اور پژمردہ دلوں کے لیے سکون وطمانیت کا سامان ہی نہیں بلکہ زندگی کی روحِ رواں اور ہماری زبان کی آبرو بھی بنی۔

محمد عزیز یار خان آیار رشتے میں میرے بہنوئی ہیں اور ساتھ ہی میرے استاد بھی۔ہم سب لوگ انہیں "بھائی جان" کہتے ہیں۔میں نے اردو لکھنا اور پڑھنا انہیں سے سیکھا ہے اور سچ پوچھیے تو مجھ میں اردو زبان و ادب سے ذوق و شوق ان ہی کی دین ہے۔

اب سے کوئی پچاس سال پہلے کی بات ہے جب بھائی جان ہندوستان میں تھے اور یوپی کے شہر لکھیم پور کھیدی کی کلکٹری کچہری میں پیش کار تھے، بعد میں آفس سپرٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوئے اور قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔محلہ مہاراج نگر میں قیام تھا۔ان کا بڑا سا مکان تھا۔شاعروں اور ادیبوں کا گڑھ تھا۔صبح و شام شعر و سخن کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں،رات گئے تک جمگھٹا رہتا تھا۔شعر و شاعری پر بحث مباحثہ ہوتا تھا۔نئ بستی میں بھائی جان کی صدارت میں اکثر مشاعرے ہوتے تھے۔ان مشاعروں میں لکھنؤ،خیرآباد،سیتاپور وغیرہ سے شعرا کرام کثیر تعداد میں لکھیم پور تشریف لاتے اور مشاعرہ صبح تک جاری رہتا تھا۔سامعین مشاعرے

کے آخیر تک بیٹھے غزلوں کی فرمائش کرتے نظر آتے تھے۔

آخر میں یار صاحب کے اس شعر پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں

کہاں سے لائیں وہ دیرینہ صحبتیں ہمدم
نہ ہیں وہ یار ہمارے نہ ہیں وہ یار اپنے

ڈاکٹر سید عظمت علی
ریٹائرڈ پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

یکم ستمبر 2024

تبصرہ

غزل ایک آئینہ ہزار جلوہ ہے۔ ہر دیکھنے والا اپنے ذوقِ جمال کی روشنی میں اسے جانچتا اور پرکھتا ہے۔ یہی جانچ اور پرکھ اس کی خوبی بن جاتی ہے۔ ولیؔ سے لے کر میرؔ تک اور میرؔ سے لے کر غالبؔ تک یہی سلسلہ ملتا ہے اور پھر ہم اسے اپنے دور میں جاری و ساری پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کا بڑے سے بڑا نقاد بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ غزل کیا ہے اور اس کو کیا ہونا چاہیے۔ ذاتی معاملات، حسن و عشق کی واردات، جذبات و احساسات کا مدوجزر، سیاسی شعور کی رنگارنگی اور خارجی عوامل کی بوقلمونی۔ یہ سب غزل

کے موضوعات سے تعلق رکھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ہر شخص اپنے نقطۂ نظر کو غزل کے پردے اور اسلوب میں منکشف دیکھنا چاہتا ہے اور جب دیکھ لیتا ہے تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔ قدیم و جدید کے تمام مباحث اسی ذیل میں آتے ہیں۔

میں عزیز یار خان یارؔ کو نہیں جانتا۔ مجھے یہ بھی تصدیق نہیں کہ انہوں نے کن اساتذہ سے فیض اٹھایا، کن بزرگوں سے ان کو نسبت رہی البتہ ان کی بیاض سے ان اساتذہ اور بزرگوں سے وابستگی کی نشاندہی ہوتی ہے جنہوں نے عزیز یار خان یارؔ کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا، ان کی فکر کو جِلا دی اور ان کے فکر اور وجدان کو آگے بڑھایا۔

محمد عزیز یار خان یارؔ، جگر کی شاعری سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں ان کی اکثر غزلیں جگرؔ کی ردیف و قوافی اور زمینوں میں ہیں۔ جگرؔ ہی کی طرح ان کی غزلوں میں بھی بے ساختگی، سرمستی اور والہانہ پن پایا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ جگرؔ کے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔

محمد عزیز یار خان کے کلام کی یہ خوبی ایسی ہے کہ جو ان کو اپنے دیگر معاصرین سے الگ اور ممتاز کرتی ہے اور اس حقیقت کا سراغ دیتی ہے کہ عصری شعور کی روح معاصرین کے خیالات اور فکر میں کس طرح سرایت کرتی اور دوڑتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ شاعر کا اپنی ترنگ اور عرفان اشیا سے ایک مختلف رنگ اور مزاج بنتا چلا جاتا ہے۔ جس طرح جگرؔ اور اصغر کی شاعری میں ایک واضح فرق اور امتیاز موجود ہے۔

یہ اور اس طرح کی کئی اور غزلیں جگرؔ کی غزلوں کی یاد دلاتی ہیں اس کے باوجود لب ولہجہ کا فرق ان کو جگرؔ کے مزاج سے الگ کرتا ہے۔ محمد عزیز یار خان کے کلام میں فکر بھی ہے اور روایت کا وہ تسلسل بھی جس کی آبیاری ہمارے متقدمین اور متوسطین نے کی ہے اور جسے ہم تک پہنچایا ہے۔ یہ روایت ہی کا تسلسل ہے کہ محمد عزیز یار خان یارؔ کے کلام پر صرف جگرؔ ہی نہیں بلکہ کہیں کہیں اصغر، حسرتؔ، میرؔ و غالبؔ کا بھی اثر ہے اس بنا پر ہم یہ کہیں تو غلط نہیں ہوگا کہ محمد عزیز یار خان یارؔ کے کلام میں میرؔ کی سادگی، غالبؔ کی

پختگی، حسرتؔ کی شوخی، اصغرؔ کی سنجیدگی اور جگر کی سرمستی پائی جاتی ہے۔ جن لوگوں کی نگاہ غزل کی روایت اور اس کے تسلسل پر ہے۔

وہ عزیز یار خان کے کلام اور ان کے انداز و مزاج کو ضرور پسند کریں گے۔

والسلام

عبدالروف عروج

کراچی

یکم اگست 1986

بے رنگیٔ خزاں کے خواہاں

انسان کی بہت کم اچھی عادتیں ایسی ہیں جو لگ جائیں تو پھر نہیں چھوٹتیں۔ شاعری ان میں شامل ہے۔ شعر کہنا اس کی طبیعت، اس کے مزاج کا حصہ بن جاتا ہے۔ وہ خود اپنی شاعری میں مگن رہتا ہے۔ دوسرے آ کر اس کی لذت میں شریک ہو جائیں تو اس سے اس کی خوشی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

عزیز یار خان شاعروں کے اسی گروہ میں شامل ہیں۔ وہ کہتے ہیں

دنیا کے ہر اک رنگ سے گزرا ہوں میں لیکن
دنیا کا کوئی رنگ مجھے راس نہ آیا

زندہ رہنے کی یہ ہمت ان کی اپنی ذاتی صفت ہے اور ان کی شاعری اسی صفت سے عبارت ہے وہ صرف رنگِ بہار کے متلاشی نہیں بلکہ خزاں کی بے رنگی کے عادی ہونے کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔

کبھی پھر دیکھ لوں گا موسمِ گل کے مناظر بھی
میں پہلے اپنے دل کو مائلِ رنگِ خزاں کر لوں

زندگی میں بے نیازی کا یہ انداز بڑے عزم و حوصلے کی بات ہے اور جب تک دل میں ایسا عزم موجود نہ ہو اس وقت تک محض خیال شعری پیکر اختیار نہیں کر سکتا----- عزیز یار خان کے اشعار میں آپ کو کوئی حیرت انگیز، کوئی چونکا دینے والی بات اور صوت و آہنگ کا کوئی نیا تجربہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ زندگی کے بہت سے رنگ اور کیفیتیں ایسی ہیں جن سے تحیر میں مبتلا ہوئے بغیر انسان ان کی گہرائیوں میں ڈوب سکتا ہے۔ یہ بھی زندگی بسر کرنے کا ایک انداز ہے۔ عزیز یار خان کے اشعار عموماً اسی انداز کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے

اپنی منزل سے بہت آگے نکل آیا ہوں
شوقِ منزل میں رہا مجھ کو نہ منزل کا لحاظ

پروفیسر حسنین کاظمی

شاعری کی سطح بلند

زبان و بیان کی شاعری فی زمانہ نامقبول شاعری سہی لیکن حقیقت یہی ہے کہ زبان و بیان سے گریز شاعری کے روایتی حسن کو زائل کر دیتا ہے۔

مومنؔ سے داغؔ تک اور داغؔ سے جگرؔ تک زبان کی ایک مخصوص دلکشی موجود ہے اور اس دلکشی کو جذبہ کی فراوانی دوامیت عطا کرتی ہے۔ جذبہ کی فراوانی ہی بڑی شاعری کی اساس ہے۔ اگر شاعری میں جذبہ مفقود ہو تو وہ شاعری نہیں بلکہ اعصاب کی پکار ہو جاتی ہے۔ عزیز یار خان کے یہاں بھی زبان و بیان کے ساتھ ہی جذبہ کی فراوانی بھی موجود ہے۔ جس کی بنا پر وہ داغؔ

اسکول کے اس قبیلہ کے شاعر ہیں جس کی نمائندگی کا اعزاز جگر مرادآبادی کو حاصل ہوا۔ داغ اسکول کا ایک قبیلہ وہ ہے جس کی نمائندگی نوح ناروی کے حصہ میں آئی لیکن وہاں صرف زبان و بیان کا تجربہ موجود ہے

جذبہ خال خال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوح ناروی کے قبیل کی شاعری اپنے تاثر کو تادیر برقرار نہیں رکھ سکی۔ جب کہ جگر کی گونج آج بھی ہم کو جدید اور جدید تر شعرا کے یہاں سنائی دیتی ہے۔ محمد عزیز یار خان کے ہاں خیال کی سطح کچھ بھی ہو لیکن شاعری کی سطح بلند ہے۔ اس میں اعصاب کی پکار نہیں بلکہ جذبہ کی مہکار موجزن ہے۔

پروفیسر وسیم فاضلی

آشوبِ ذات آشوبِ کائنات

شاعری انسان کی شخصیت کا عکس بھی ہے اور آئینہ بھی اسی لیے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کی شاعری اس کا احوال ہوتی ہے اور اس میں ہم اس شخص کی شخصیت کے پرتو دیکھ سکتے ہیں۔ عزیز یار خان کی شاعری بھی دراصل ان کا احوال ہے۔ اس میں جگہ جگہ ان کی زندگی کے عکس چہرہ نمائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں تنہائیوں کی کوکھ سے جنم لیتی ہوئی سرشاریاں ہیں اور کہیں سرشاریوں کے پہلو سے اٹھتا ہوا آزردہ تمناؤں کا شور۔ کہیں درماندگی ہے اور کہیں حال کی ہجرتوں کا شعور۔ یہی احوالِ شاعر ہے اور یہی قالِ

شاعر۔ میں نے عزیز یار خان کی شاعری میں جذبے کی فراوانی اور اظہار کی روانی دیکھی ہے۔ وہ شاعرانہ رموز نکات پر نہ صرف قادر ہیں بلکہ ان کے قائل بھی۔ اسی لیے ان کے یہاں فی زمانہ شعرا کی طرح احساس کا مرکز آشوب ذات نہیں بلکہ آشوبِ کائنات ہے اور یہی بات ان کو اپنے ہم عصروں اور ہم عمروں میں ممتاز و ممیز کرتی ہے۔

یہ بات ضرور ہے کہ عزیز یار خان کی شاعری کے حوالے سے ان کا نام کسی مجلسِ قرطاس و قلم کی زینت نہ بن سکا اور ان کی نمود و نمائش سے گریز کی روش ہی دراصل ان کی عدم شہرت کا باعث بنی رہی، اگر وہ دورِ حاضر کی نشری، اشاعتی اور تشہیری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی تھوڑی سی بھی کوشش کرتے تو کم از کم پاکستان کی حد تک تو انہیں مشہور و معروف شعرا کی صفوں میں اپنے آپ کو شامل کرنے میں کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ ہوتی۔

قابلِ مبارکباد ہیں ان کے فرزند قدیر یار خان۔ جنہوں نے ان کے ادبی

شہ پاروں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا نہ صرف پروگرام مرتب کیا بلکہ ان کی کوششوں اور کاوشوں سے عزیز یار خان کا دیوان ”لذتِ آزار“ کے نام سے منظرِ عام پر آ رہا ہے۔ جس پر فارسی کی یہ مثل پوری طرح صادق آتی ہے

اگر پدر نہ تواند، پسر تمام کند

بہر حال خوشی ہے کہ ”لذتِ آزار“ جو عزیز یار خان کی ادبی شہ پاروں کی ہر طرح آئینہ دار ہے اب کسی گمنام ذاتی لائبریری کی زینت نہیں بلکہ ہمارے قومی ادب کا ایک جاندار اور متحرک حصہ بن چکی ہے جس سے دورِ حاضر ہی کا سخن فہم طبقہ استفادہ نہیں کرے گا بلکہ اس کے ذریعہ آنیوالی نسلیں بھی مستفید ہوں گی۔

اشتیاق اظہر

یادش بخیر۔ جاگ اٹھا ہوں میں خواب میں

آج میں ایک ایسے لمحے میں بیٹھا ہوا ہوں جہاں رفتگاں کے سینکڑوں چہرے مختلف حوالوں سے میرے دل و دماغ کو اپنا اسیر کیے ہوئے ہیں۔ میں اس لمحہ میں اپنے احوال پر غور کرتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ یہ جو آج میں قرطاس قلم کے حوالے سے شاید کسی لائق ہوا ہوں تو اس کی بنیاد میں انھی رفتگاں کی دعائیں اور ان ہی سے سیکھی ہوئی روایات اپنا ایک وجود رکھتی ہیں۔ گھر کی تربیت اپنی جگہ لیکن گھر سے باہر جن بزرگوں نے مجھ سے شفقت و محبت کا معاملہ روا رکھا اُن میں سے ایک بزرگ محمد عزیز یار خان

یار کے تذکرے کے بغیر میرا احوال بے احوال ہی رہے گا۔
وہ نہایت کم آمیز و خوش گفتار، وضع قطع میں بہت نفیس اور معاملات میں نہایت کھرے تھے آنکھوں میں غیر متوقع عجز و انکسار کے باوجود چال میں ایک مخصوص تمکنت تھی جو ہر قدم پر ان کی آفریدی پٹھان ہونے کی گواہی دیتی رہتی تھی۔
وہ اصغر گونڈوی اور جگر مراد آبادی کے عہد میں اب بھی زندہ ہیں اور غزل لکھ رہے ہیں۔
وہ قدیم لسانی حرمتوں کی نفی کے قائل نہیں بلکہ ان کے خاموش امین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل کے آئینے میں ان کے ثقہ معاصرین کے عکس چہرہ نمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ آرائشِ اظہار سے ان کو کوئی سروکار نہیں وہ اپنے محسوسات کے اظہار کی فراوانی پر یقین رکھتے ہیں۔ اسلوب سازی ان کا مسئلہ نہیں ہے اس لیے اظہار و بیان کے لیے کسی مشقت سے دوچار نہیں ہوتے۔ ان کے یہاں نہ بحور کے شعوری تجربے ہیں نہ الفاظ کی بازی

گری۔ نہ وہ شعوری طور پر ردیف کو اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ جدید موضوعات کو اپناتے ہیں۔ وہ صرف شعر کہتے ہیں اور عرضِ مدعا ان کا مطمحِ نظر ہے۔

دراصل اردو شاعری کی اساس و بنیاد غزل پر رکھی گئی تھی جو خالص عجمی روایت کا حصہ تھی اسی بنا پر اردو غزل پر فارسی کے اثرات غالب تھے لیکن پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ پر یہ روایت ایک نئے قالب میں ڈھلنے لگی اور مغرب کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ جدید غزل کا آغاز اسی موڑ سے ہوتا ہے مگر غزل کی وہ مشرقی روایت جس کے آخری نمائندے جگرؔ مراد آبادی تھے اور جواب تعطل کی دار پر معلق ہے اس کی چھوٹ خال خال جدید غزل میں نظر آتی ہے مگر دیگر شعری عوامل اس کو اپنے عہد کے تقاضوں سے الگ نہیں ہونے دیتے۔ عزیز یار خان یارؔ اسی غزل کی روایت سے خود کو ابھی تک وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

عزیز یار خان یارؔ جہاں جگرؔ کی طرح حسن و عشق کے کیف وکم میں خود رفتہ

دکھائی دیتے ہیں وہاں ان کی شاعری میں خارجی ماحول کے مصائب و شدائد کے موہوم عکس بھی نظر آتے ہیں وہ ایک حساس فرد کی طرح گرم و سردِ زمانہ کا تاثر قبول کرتے ہیں اور اسی بنا پر ان کا فنی شعورِ ذات و کائنات دونوں کے احساس سے عبارت ہے۔

آپا سے شادی کے بعد وہ ہر طرف سے بے نیاز ہو گئے۔ تمام اولادوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی بلکہ اپنے عمل سے ان سب کو اسلاف کے عمل کا آئینہ دار بنا دیا۔ بھائی جان کی زندگی کی یہی سب سے بڑی کامیابی بھی تھی اور اللہ رب العزت کی جانب سے انعام بھی کہ آج ان کی تمام اولادیں ان کے سرمایۂ شعری کو محفوظ کر دینا چاہتی ہیں تاکہ ان کے والد کی روح نہ صرف خوش ہو سکے بلکہ وہ خود بھی اپنے والدین کی روحانی دعاؤں کے حصار میں رہیں۔

خواجہ رضی حیدر

سابق ڈائریکٹر قائدِ اعظم اکیڈمی کراچی (23 مارچ 2008)

حمد

اے مرے پروردگارِ کائنات
اے کریم و صاحبِ اعلیٰ صفات

کاش اِدھر بھی ہو نگاہِ التفات
ہو حیات اپنی بھی فردوسِ حیات

کر عطا مجھ کو گناہوں سے نجات
دور کردے میری ساری مشکلات

زندۂ جاوید ہو مرنے کے بعد
بخشدے تو ایسی پاکیزہ حیات

آدمیت کا تقاضا ہے یہی
باعمل ہو ماورائے ذات پات

دن تو گزرا شرحِ غم کرتے ہوئے
پھر وہی میں پھر وہی آشوبِ رات

ہوں ثنا خوانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصطفیٰ
یار کہہ دوں کیوں نہ اپنے دل کی بات

نعت

دیکھے تو کوئی نامِ خدا شانِ محمدؐ
ہیں کون و مکاں تابعِ فرمانِ محمدؐ

ہر گوشۂ ظلماتِ جہاں میں ہے اجالا
اے صَلِّ علیٰ شمعِ شبستانِ محمدؐ

گھبرائے وہ کیوں گردشِ ایّامِ جہاں سے
ہو جس کا ٹھکانہ تہہِ دامانِ محمدؐ

پیمانۂ ہستی کو وہ پھر منہ نہ لگائے
پی لے جو کوئی بادۂ عرفانِ محمدؐ

خوفِ تپشِ حشر ہو اے یارؔ مجھے کیا
ہے سر پہ مرے سایۂ دامانِ محمدؐ

نذرِ خواجہ غریب نوازؒ

اِدھر بھی اک نگاہِ کرم غریب نوازؒ
کہ ہوں میں کشتۂ جورو ستم غریب نوازؒ

کبھی نہ دردِ محبت ہو کم غریب نوازؒ
دمِ خوشی بھی رہے چشم نم غریب نوازؒ

صدا یہ آتی ہے ہر دم دلِ شکستہ سے
کہ مجھ غریب کا رکھ لو بھرم غریب نوازؒ

رہے کبھی نہ مرا دامنِ طلب خالی
بڑھے جو آپ کا دستِ کرم غریب نوازؒ

شبِ فراق عجب عالمِ محبت ہے
پکار اٹھتے ہیں رہ رہ کے ہم غریب نوازؒ

یہ مانا میں نے کہ مجبور ہوں غریب ہوں میں
مگر ہیں آپ خدا کی قسم غریب نوازؒ

کلامِ یآر بھی مقبولِ عام ہو جائے
عطا ہو اس کو بھی حسنِ رقم غریب نوازؒ

غزلیات

*

پڑ گئی اک بتِ کافر پہ نظر آپ سے آپ
دل میں ہے درد، تڑپتا ہے جگر آپ سے آپ

لاکھ ہے پاس مجھے ضبطِ محبت کا مگر
ہو ہی جاتا ہے رواں دیدۂ تر آپ سے آپ

چاہتا تو ہوں نہ جاؤں سوئے میخانہ مگر
کھینچ لے جاتا ہے دل مجھ کو اُدھر آپ سے آپ

فصلِ گل آتے ہی دیوانگی بڑھ جاتی ہے
پڑتی ہے جیب و گریباں پہ نظر آپ سے آپ

خوشبوئے یار نسیمِ سحری لاتی ہے
آنکھ کھل جاتی ہے ہنگامِ سحر آپ سے آپ

صبر کر آہ میں اے یّار اثر ہونے دے
ہو رہے گا وہ جو ہے مدِ نظر آپ سے آپ

٭

وہ دل جو تیری الفت میں مبتلا نہیں ہے
مقصودِ زندگی سے راز آشنا نہیں ہے

آنکھوں میں جاگزیں ہے دل میں مرے مکیں ہے
کہنے کو وہ جدا ہے لیکن جدا نہیں ہے

ناکامیوں پہ اپنی اکثر یہ سوچتا ہوں
کیا اس جہاں میں کوئی میرا خدا نہیں ہے

آنکھوں کا نور ہو جو دل کا سرور ہو جو
ایسا حسین کوئی تیرے سوا نہیں ہے

ذوقِ نظر کو میرے دیتا ہے دوش کیوں تُو
یہ تیرا حسنِ رنگیں کیا دلربا نہیں ہے

پہلے کی طرح اب کیوں ملتے نہیں وہ مجھ سے
برسوں کی دوستی کا یہ تو صلہ نہیں ہے

اے یار اپنی ہستی کردی ہے نذرِ الفت
اب میرے پاس کچھ بھی اس کے سوا نہیں ہے

*

وہ کبھی میرے گھر نہیں آتا
وعدہ کرتا ہے پر نہیں آتا

جس کو اپنا سمجھ رہا ہوں میں
وہ بھی اپنا نظر نہیں آتا

مسکراتا نہیں ہے وہ جب تک
رنگِ شام و سحر نہیں آتا

یوں تو ہیں اور بھی حسیں لیکن
تم سے بہتر نظر نہیں آتا

بھول جاتا ہوں راہِ منزل میں
راس مجھ کو سفر نہیں آتا

رنگ و بو میں بھی اس کے جلوے ہیں
سامنے وہ مگر نہیں آتا

یاؔر سمجھا رہا ہوں دل کو بہت
راہ پر وہ مگر نہیں آتا

٭

تجھے میرا زمانہ ڈھونڈ لے گا
غمِ دل کا فسانہ ڈھونڈ لے گا

چھپے تو لاکھ نظروں سے ہماری
مذاقِ عارفانہ ڈھونڈ لے گا

رہِ الفت میں حالِ زار میرا
کوئی رنگیں ترانہ ڈھونڈ لے گا

ترا تیرِ نظر اندھا ہے لیکن
مرے دل کا نشانہ ڈھونڈ لے گا

نیازِ عشق اِذنِ حسن پا کر
کہیں وقتِ سہانہ ڈھونڈ لے گا

رہے یہ جذبۂ الفت سلامت
ترا ہر جا ٹھکانہ ڈھونڈ لے گا

عبث یآر اس سے امیدِ وفا ہے
وہ پھر کوئی بہانہ ڈھونڈ لے گا

*

فرمائیے تو مجھ سے ہوا کیا قصور آج
دیکھا تھا میں نے آپ کی جانب ضرور آج

ہر صاحبِ نگاہ کو ہے اشتیاقِ دید
شہرت ہے اس کے حسن کی نزدیک و دور آج

رہتے نہیں جہاں میں سدا دن بہار کے
اُن کو عبث ہے حسن پہ اپنے غرور آج

ناداں ہیں قدرِ دل وہ ابھی جانتے نہیں
آجائے گا کبھی جو نہیں ہے شعور آج

کوئی نہیں ہے یار بجز ناخدائے شوق
کرنے چلا ہوں بحرِ محبت عبور آج

*

ہر شے میں دیکھتا ہوں اسی کو میں جلوہ گر
بدنام ہو رہی ہے جہاں میں مری نظر

معمور ہو خلوصِ محبت سے دل اگر
ممکن نہیں کہ آہ میں پیدا نہ ہو اثر

کرتا رہا کسی سے میں باتیں تمام رات
لیکن حدیثِ دل نہ ہوئی ختم تا سحر

مجھ سے اگر نہیں ہے تعلق کوئی تو پھر
شرما رہے ہیں کیوں وہ مجھے دیکھ دیکھ کر

منزل قریب آئی تو اپنا نہ تھا کوئی
مجھ کو اکیلا چھوڑ گئے میرے ہم سفر

اس وقت ہوں میں ان سے تصور میں ہم کلام
میری شبِ فراق کی یارب نہ ہو سحر

کیا سچ ہے میرا یار بھی دنیا سے اٹھ گیا
میں نے سنی ہے آج یہ اڑتی ہوئی خبر

❊

میں نے دیکھا ہی نہیں اے گردشِ لیل و نہار
کب گئی اور آئی تھی کب میرے گلشن میں بہار

ترجمانِ داستانِ غم ہے میرا حالِ زار
امتحاں کیا اور ابھی باقی ہے اے پروردگار

بے خبر انجام سے آسودۂ منزل ہیں لوگ
بیکسوں کی کوئی سنتا ہی نہیں چیخ و پکار

کر چکا ہے بارہا عذرِ وفا وہ بے وفا
اس کے وعدوں کا میں پھر بھی کر رہا ہوں اعتبار

محوِ حیرت ہوں کہ سب کہتے ہیں کیوں معصوم اسے
دیکھتے ہی جو اڑا لے جاتا ہے صبرو قرار

لاکھ ہو ذوقِ طلب کی مدعی دنیا مگر
اس کی الفت کا خلوصِ دل پہ ہے دارومدار

چل بسا آخر مریضِ ہجر یہ کہتا ہوا
زندگی میں تھی یہی تو انتہائے انتظار

تجزیہ کر کے محبت کا کبھی دیکھیں تو ہم
نیند کیوں آتی نہیں رہتا ہے دل کیوں بے قرار

دے رہا ہے وہ مجھے اب تک فریبِ دوستی
میں نے سمجھا ہے اسے لیکن ہمیشہ اپنا یار

٭

جذبۂ شوقِ شہادت لے چلا قاتل کے پاس
آرزو لائی نویدِ زندگی بسمل کے پاس

نیند آجاتی ہے جب شب میں مجھے پہلے پہر
دیتا ہے آواز کوئی آ کے میرے دل کے پاس

اللہ اللہ لذتِ دشواریٔ راہِ طلب
واپس آجاتا ہوں خود جا جا کے میں منزل کے پاس

ہے یہ کیسا شورِ طوفاں کیوں ہیں موجیں بے قرار
کشتیٔ دل ڈوبنے والی ہے کیا ساحل کے پاس

سوزِ غم سے جلتے جلتے شمع بھی گھلنے لگی
خاک پروانوں کی اڑتے دیکھ کر محفل کے پاس

چار حرفِ آرزو نذرِ تغافل ہوگئے
چار حرفِ آرزو بھی اب نہیں سائل کے پاس

جلوہ ہائے حسن ان کے ہیں نمایاں اس طرح
جیسے آتے ہیں نظر تارے مہِ کامل کے پاس

دیکھتا ہوں ان کا اندازِ نظر اے یار میں
ہٹ کے منزل سے کبھی، آکر کبھی منزل کے پاس

*

حسن خود دے رہا ہے دعوتِ عام
ہوگیا عشق مفت میں بد نام

ہیں بدستور میرے صبح و شام
کر سکی کچھ نہ گردشِ ایام

لاکھ دیکھا ہے ان کو ڈر ڈر کے
آنکھ پھر بھی ہے موردِ الزام

دیکھ کر اس کی چشمِ جادو ریز
بھر لیے مے کشوں نے اپنے جام

ہو گیا دل فدائے حسنِ دوست
خیر آیا تو وہ کسی کے کام

لذتِ درد و غم نہ ہو جس میں
ایسی الفت کو دور ہی سے سلام

کہتے کہتے گزر گئیں صدیاں
داستانِ الم ہوئی نہ تمام

یار شرمندۂ وفا ہیں وہ
کیوں نہ لے لوں میں اپنے سر الزام

*

ہر ایک شے کو نظر سے گرا رہا ہوں میں
کسی کے حسن کو اپنا بنا رہا ہوں میں

ستارے لرزہ براندام ہیں فضا خاموش
کہ سرگزشتِ محبت سنا رہا ہوں میں

کیا ہے خونِ جگر جمع گوشے گوشے میں
قفس کو اپنے گلستاں بنا رہا ہوں میں

عجیب چیز ہے نیرنگیٔ محبت بھی
کہ درد دل میں ہے اور مسکرا رہا ہوں میں

نہ فکرِ جادۂ منزل نہ ہوشِ منزل ہے
خبر نہیں ہے کہاں آیار جا رہا ہوں میں

٭

قریب تر ہوں میں ان سے کوئی ضرور نہیں
وہ لاکھ دور سہی پھر بھی دل سے دور نہیں

نظر نہ آئیں جسے تیرے حسن کے جلوے
وہ آنکھ آنکھ تو ہے لیکن اس میں نور نہیں

انہیں نہ دیکھ سکوں میں یہ ہو نہیں سکتا
مذاقِ دل ہے یہ کوئی مذاقِ طُور نہیں

نہ جانے آئے ہیں وہ خود کہ ہے خیال ان کا
یہ محویت ہے کہ اتنا بھی اب شعور نہیں

نمودِ حسن جہاں کو سدا سراہا ہے
کہوں میں کیسے کہ دل کا مرے قصور نہیں

مری نظر میں نہیں اہمیت گناہوں کی
ترے کرم پہ مجھے ناز ہے غرور نہیں

یہ مانا کشتۂ جور و ستم ہے یآر ترا
زبان کھلنے کی لیکن ترے حضور نہیں

❊

وہ بات جو ہے ان کی معصوم دلکشی میں
میں نے قسم خدا کی دیکھی نہیں کسی میں

تاخیر جب ہوئی ہے کچھ دیر مے کشی میں
آنکھوں سے ان کی میں نے پی لی ہے تشنگی میں

اچھا ہے وقت جو بھی گزرے ہنسی خوشی میں
رکھا ہی اور کیا ہے دو دن کی زندگی میں

دردِ جگر ہے، غم ہے، حسرت ہے، چشمِ نم ہے
ہمدرد میرے کیا کیا ہیں میری بیکسی میں

وہ ہار کر بھی جیتے ہم جیت کر بھی ہارے
ایسے بھی کھیل ہم نے دیکھے ہیں زندگی میں

یوں ہی سہی بہر نوع باہم رہے تعلق
ہم آئینہ میں دیکھیں اور آپ آرسی میں

پردوں میں رنگ و بو کے چھپتے رہے وہ لیکن
دیکھا کیا میں ان کو جلوؤں کی روشنی میں

ہر سمت ہو رہے ہیں دارورسن کے چرچے
کیا جانے کہہ دیا ہے کیا میں نے بےخودی میں

آئیں نہ راس مجھ کو رنگینیاں جہاں کی
گزری ہے عمر میری یآر اس کی بندگی میں

٭

یہ بھی قسمت نے دن دکھائے ہیں
تھے جو اپنے وہ اب پرائے ہیں

ایسے بھی انقلاب آئے ہیں
دوستی نے بھی گل کھلائے ہیں

رنگ و بو میں بھی آب و گِل میں بھی
جلوے اس نے ہمیں دکھائے ہیں

چھیڑ دی ہے جو داستانِ الم
سننے والوں کے دل بھر آئے ہیں

ہیں حسیں اور بھی یہاں لیکن
آپ مجھ کو پسند آئے ہیں

دیکھ کر میری کیفیاتِ جنوں
چاند تارے بھی مسکرائے ہیں

خیر ہو میرے یار کی یارب
کیوں اسے دیکھنے سب آئے ہیں

*

سنتا آیا ہوں یہی لوگ کہا کرتے ہیں
چاہنے والوں پہ اپنے، وہ جفا کرتے ہیں

اللہ اللہ میں جنہیں اپنا کہا کرتا تھا
دَم وہی غیر کا ہر وقت بھرا کرتے ہیں

خود تو ہوتا نہیں ان کو کبھی احساسِ وفا
اور پھر مجھ سے وہ امیدِ وفا کرتے ہیں

حسن خود سامنے آتا ہے نمائش کے لیے
دل کو وہ مفت میں بد نام کیا کرتے ہیں

کہہ دیا اس نے مجھے دے کے محبت اپنی
جا تجھے آج سے پابندِ وفا کرتے ہیں

نیند اڑ جاتی ہے ہوتی ہے سحر مشکل سے
ہم تو مر مر کے شبِ ہجر جیا کرتے ہیں

جرم یہ ہے کہ کبھی کی تھی محبت اُن سے
بدلے گن گن کے ابھی تک وہ لیا کرتے ہیں

چھیڑتے رہتے ہیں اے یار ہم اکثر ان کو
نقشِ الفت میں نئے رنگ بھرا کرتے ہیں

٭

زندگی کا کچھ اعتبار نہیں
عارضی ہے یہ پائیدار نہیں

کوئی پُرسانِ حالِ زار نہیں
میرا دنیا میں کوئی یار نہیں

چشمِ خود بیں ہو یا دلِ معصوم
اب کسی کا بھی اعتبار نہیں

کیا ہو تعریف ِ حسنِ شہرِ حبیب
اس سے بہتر کوئی دیار نہیں

کوئی دیکھے تو بیکسی میری
اپنے دل پر بھی اختیار نہیں

دوسروں کا وہ درد کیا جانے
زندگی میں جو دلفگار نہیں

ختم ہوتا نہیں یہ دَورِ خزاں
میری قسمت میں کیا بہار نہیں

خوگرِ درد ہوگیا ہوں میں
اب مری چشم اشکبار نہیں

تابہ کے انتظار یہ تو بتا
یا کوئی حدِ انتظار نہیں

اک زمانہ تھا میرا یار کبھی
لیکن اب میں کسی کا یار نہیں

٭

جو فدائے حبیب ہوتے ہیں
وہ خدا سے قریب ہوتے ہیں

آپ ہوتے ہیں مہرباں جن پر
وہ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں

راہ میں کچھ ہیں کچھ سرِ منزل
اپنے اپنے نصیب ہوتے ہیں

ہم نہ دیکھیں تو ہے نظر کا قصور
آپ دل کے قریب ہوتے ہیں

بڑھتا ہے اشتیاق اتنا ہی
آپ جتنا قریب ہوتے ہیں

جمع ہو کر حضور میں اس کی
ایک امیر و غریب ہوتے ہیں

یار یہ واقعاتِ الفت بھی
کچھ عجیب و غریب ہوتے ہیں

*

نام میرا سرِ فہرست ہے دیوانوں میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں اس کو میں بیابانوں میں

جلوہ افروز ہے وہ حسن کے ایوانوں میں
دیکھو آجائے کہیں فرق نہ ایمانوں میں

چشم ساقی کی بڑی دھوم ہے میخانوں میں
رِند پیتے نہیں اب ساغر و پیمانوں میں

کردی ہے مجھ کو عطا اپنی محبت تُو نے
ایک احسان ہے یہ بھی ترے احسانوں میں

موسمِ گل میں یہ ہے میرے جنوں کا عالم
ٹکڑے رکھتا ہوں گریباں کے میں دامانوں میں

سامنے میرے کوئی اور نہ ہو ان کے سوا
سب سے بڑھ کر یہ ہے ارماں مرے ارمانوں میں

چھیڑتا ہے کوئی جب ذکرِ سخن محفل میں
یؔار کا نام بھی آتا ہے غزل خوانوں میں

*

کیا ستم ہے ساقیا تو ہی بتا میں کیا کروں
تیری محفل میں پیئں سب اور میں دیکھا کروں

وہ نہ آنا تھا نہ آئے دَم لبوں پر آ گیا
راستہ اب اور ان کا تابہ کے دیکھا کروں

جلوہ ہائے حسن ان کے دیکھتا ہوں ہر طرف
یہ نہیں آتا سمجھ میں اب کدھر سجدہ کروں

اب بجز اس کے نہیں ہے دل میں کوئی آرزو
سامنے بیٹھے رہیں وہ اور میں دیکھا کروں

سامنے آ کر کبھی تو دیکھ اے پردہ نشیں
لوں قدم پہلے نہ جانے اور پھر کیا کیا کروں

بارشِ ابرِ کرم ہو دوسروں پر اے خدا!
اور میں بارانِ رحمت کے لیے ترسا کروں

کیوں نہ نذرِ مرگ کر دوں یار اپنی زندگی
جب کوئی محرم نہیں میرا تو جی کر کیا کروں

٭

اٹھا جب پردۂ حسنِ نظر آہستہ آہستہ
منور ہو گئے دیوار و در آہستہ آہستہ

شبِ رنگیں میں صبحِ نو بھی جلد آجاتی ہے لیکن
شبِ فرقت میں ہوتی ہے سحر آہستہ آہستہ

حیا مانع ہے لیکن ہے محبت کا تقاضا بھی
اٹھاتے ہیں وہ محفل میں نظر آہستہ آہستہ

ابھی کر صبر کچھ دن اور اے میرے دلِ مضطر
کہ ہوتا ہے محبت میں اثر آہستہ آہستہ

ستمگر میرا دل ہے مثلِ آئینہ بہت نازک
ستم جو چاہے کر اس پر مگر آہستہ آہستہ

نہ گھبرا اے مسافر تُو رہِ دشوارِ الفت میں
کہ ہوجاتا ہے آساں یہ سفر آہستہ آہستہ

مجھے بھی یؔار یادِ رفتگاں نے اب بلایا ہے
کوئی پوچھے تو کہہ دینا مگر آہستہ آہستہ

٭

وہ سامنے آ آ کر چھپ جائیں تو کیا کہیے
فردوسِ نظر بن کر تڑپائیں تو کیا کہیے

ضبطِ غمِ فرقت کا ہے پاس بہت لیکن
آنسو مری آنکھوں میں بھر آئیں تو کیا کہیے

اے کاش سمجھ لیں وہ اسباب جدائی کے
بچھڑے ہوئے آپس میں مل جائیں تو کیا کہیے

نیرنگئ الفت سے واقف جو نہیں اصلاً
افسانۂ ماضی کو دُہرائیں تو کیا کہیے

طے ہم کو رہِ الفت کرنا ہے بہر عنواں
دشوارئ منزل سے گھبرائیں تو کیا کہیے

✲

تمہیں آزمانے کو جی چاہتا ہے
خفا ہو منانے کو جی چاہتا ہے

گرے خرمنِ دل پہ پھر برق کوئی
تمہیں پھر جلانے کو جی چاہتا ہے

محبت کی مجبوریاں توبہ توبہ
انہیں بھول جانے کو جی چاہتا ہے

کسی دن انہیں بھی دلِ غمزدہ کی
کہانی سنانے کو جی چاہتا ہے

یہ مانا کہ بے چین ہوں دردِ دل سے
مگر مسکرانے کو جی چاہتا ہے

محبت میں آتی ہے ایسی گھڑی بھی
کہ آنکھیں چرانے کو جی چاہتا ہے

سکوں یار ممکن نہیں اس جہاں میں
کہیں اور جانے کو جی چاہتا ہے

٭

بیٹھے بیٹھے خیال نہ جانے کس کا دل میں آتا ہے
آج تک آیا کچھ نہ سمجھ میں مجھ کو کیا ہو جاتا ہے

گہرائی میں درد کی اکثر دل ڈوب اتنا جاتا ہے
بن بن کر دریائے محبت آنکھوں میں لہراتا ہے

یہ بھی فریبِ چشم ہے کوئی یا ہے کمالِ بینائی
اٹھتی ہیں جس سمت نگاہیں مجھ کو نظر تُو آتا ہے

سوتے سوتے اکثر اٹھ کر کیوں میں رونے لگتا ہوں
شب کے سکوتِ خواب میں مجھ کو کون جگانے آتا ہے

حالِ حزیں کا اپنے جب میں دھیان کبھی کچھ کرتا ہوں
فوراً مجھ کو تسلی دینے آنکھ میں اشک آجاتا ہے

دیکھا تو ہے میں نے لیکن یاد نہیں ہے اب مجھ کو
کون ہے یہ جو سامنے میرے آ آ کر چھپ جاتا ہے

رازِ الم میں یارِ جہاں میں کر تو دیتا فاش ولے
کہنے کو کچھ ہوتا ہوں جب آنکھ میں اشک آجاتا ہے

٭

ہے یہ زیرِ نقاب کیا جانے
رخ ہے یا آفتاب کیا جانے

آہ مجبوریاں محبت کی
ایک مستِ شباب کیا جانے

حسن ہے کس قدر زمانہ ساز
دلِ خانہ خراب کیا جانے

دل پہ بنتی ہے جو شبِ فرقت
کوئی سرگرمِ خواب کیا جانے

حسن ہے ایک پُر سکوں منظر
مطمئن، اضطراب کیا جانے

مثلِ دریا کبھی ٹھہر جانا
میری چشم پُر آب کیا جانے

❊

زلفوں کو اپنے رخ پہ سنوارا نہ کیجیے
شیشہ میں یوں کسی کو اتارا نہ کیجیے

آرائشِ جمال خدارا نہ کیجیے
اہل نظر کو محوِ نظارا نہ کیجیے

دنیا کہیں شکارِ فریبِ نظر نہ ہو
یوں رنگِ گلستاں کو نکھارا نہ کیجیے

آتی نہیں ہے نیند مجھے جاگنے کے بعد
شب کی خموشیوں میں پکارا نہ کیجیے

آجائے یاد پھر نہ وہ دَورِ ستم کہیں
بیٹھے ہوئے نقوش ابھارا نہ کیجیے

بے مہریٔ نگاہ میں حسنِ کرم بھی ہے
صحبت سے ان کی یار کنارا نہ کیجیے

*

جو بھی آیا وہ با ادب آیا
لے کے دل میں تری طلب آیا

آخری دَم لبوں پہ جب آیا
اُس کو میرا خیال تب آیا

اس کی الفت ہے جستجوئے خودی
کیوں کہوں میں کہ بے سبب آیا

تادمِ مرگ انتظار رہا
آیا بھی وہ یہاں تو کب آیا

جا چکے ہیں جو پہلے میرے یار
کہہ دو ان سے کہ میں بھی اب آیا

٭

حسنِ خفتہ جگا دیا میں نے
اس کو خود بیں بنا دیا میں نے

دے کے دل ان کو پا لیا میں نے
کیا ملا اور کیا دیا میں نے

میری دانائی تھی کہ نادانی
ان کو اپنا سمجھ لیا میں نے

یاد میں ان کی چشم پُر نم ہے
ایک دریا بہادیا میں نے

بارِ الفت نہ اٹھ سکا تنہا
بارِ غم تو اٹھا لیا میں نے

آمدِ برق کی خبر سن کر
آشیاں خود جلا دیا میں نے

لگ نہ جائے نظر کسی کی انہیں
دل میں اپنے چھپا لیا میں نے

یآر اظہارِ حالِ دل اپنا
باتوں باتوں میں کر دیا میں نے

٭

کیا کہوں کون ہوں میں آپ نے پہچانا بھی؟
باتیں کرتا ہے کہیں ہوش کی دیوانہ بھی

آ بھی جا سامنے اے دوست تکلف کیا ہے
تجھ کو بے پردہ بھی دیکھا ہے حجابانہ بھی

اللہ اللہ مری توبہ شکنی کے ساماں
مے بھی ہے، جام بھی ہے، ساقیٔ میخانہ بھی

حسنِ پُر کیف سے بیخود ہے فضائے محفل
شمع بھی وجد میں ہے رقص میں پروانہ بھی

کون آیا ہے بھری بزم میں ایماں لینے
مے بھی آنکھوں میں لیے گردشِ پیمانہ بھی

یاد آئے نہ بتوں کی مرے دل میں کیونکر
کعبہ کہتے ہیں جسے تھا کبھی بت خانہ بھی

ہے محبت میں عجب یارِ حزیں کا عالم
لوگ دانا بھی اسے کہتے ہیں دیوانہ بھی

٭

مجھے بھی کاش دیدارِ رخِ پُرنور ہو جائے
مرا دل بھی تجلّی گاہِ مثلِ طور ہو جائے

تمہارے حسنِ پنہاں کا یہی رازِ تجلّی ہے
جو نزدیکی کا طالب ہو وہ پہلے دور ہو جائے

تڑپ اٹھیں وہ سنتے ہی حریمِ ناز میں اپنی
کچھ اتنی داستانِ غم مری مشہور ہو جائے

تمہارے ہاتھ میں یوں تو حیات و مرگ دونوں ہیں
یہ قسمت ہے مری جو بھی تمہیں منظور ہو جائے

ابھی کچھ اور بڑھ جائے مرا ذوقِ طلب یونہی
کبھی وہ سامنے آئے کبھی مستور ہو جائے

ہمہ اوقات نام ان کا رہے وردِ زباں میرے
مذاقِ دل مرا بھی صورتِ منصور ہو جائے

تقاضا ہے یہی اے یار میری لذتِ غم کا
بڑھوں جتنا میں اتنا ہی وہ مجھ سے دور ہو جائے

٭

جان پھر جان ہو گئی ہوتی
ان پہ قربان ہو گئی ہوتی

نام ان کا جو لے لیا ہوتا
مشکل آسان ہوگئی ہوتی

چشم ان کی نہ کرتی دلجوئی
کاش انجان ہو گئی ہوتی

ملتے رہتے اگر وہ مجھ سے کہیں
جان پہچان ہو گئی ہوتی

کاش اس کی رضا و دلجوئی
میرا ایمان ہو گئی ہوتی

حسن ہوتا اگر نہ دنیا میں
روح بے جان ہو گئی ہوتی

یآر یہ داستانِ حسن و عشق
زیبِ دیوان ہو گئی ہوتی

*

سنے ہیں لوگوں سے خود میں نے اپنے افسانے
الگ یہ بات ہے دنیا مجھے نہ پہچانے

کبھی ہمارے تھے منت گزار میخانے
ہے اب یہ حال کہ خالی پڑے ہیں پیمانے

چلی ہے شہر میں کیسی ہوا خدا جانے
کہ ہو رہے ہیں یگانے بھی آج بیگانے

جلا جلا کے ہمیں شمع رو رہی ہے عبث
زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں پروانے

کبھی فلک سے کبھی کی ہیں چاند سے باتیں
کٹی ہے کیسے شبِ ہجر کوئی کیا جانے

یہ سوچتا ہوں کہ دیکھا ہے میں نے ان کو کہیں
وہ ایسے لگتے ہیں جیسے ہوں جانے پہچانے

٭

اب ان کی محبت بھی چھپائی نہیں جاتی
ہے دل کی جو حالت وہ دکھائی نہیں جاتی

یاد آتی ہے ان کی تو بھلائی نہیں جاتی
رودادِ شبِ ہجر سنائی نہیں جاتی

خاطر میں محبت مری لائی نہیں جاتی
ان میں کوئی بات اپنوں سی پائی نہیں جاتی

کہتے ہیں خدا جانے انہیں لوگ برا کیوں
مجھ سے تو سنی ان کی برائی نہیں جاتی

ہر چند کہ سب حال مرا پوچھ رہے ہیں
ہر بات مگر دل کی بتائی نہیں جاتی

یہ مانا کہ وہ وعدہ فراموش نہیں ہیں
پھر سامنے کیوں آنکھ ملائی نہیں جاتی

٭

حسن اس کا بھلا سا لگتا ہے
وہ مرا دلربا سا لگتا ہے

دیکھتا ہوں ہر ایک شے میں اسے
وہ تو میرا خدا سا لگتا ہے

چل رہا ہوں اسی کے کہنے پر
وہ کوئی رہنما سا لگتا ہے

وہ جو بیٹھا ہے اجنبی کی طرح
پہلے دیکھا ہوا سا لگتا ہے

لے چلا ہے جو کشتیٔ دل کو
مجھ کو وہ ناخدا سا لگتا ہے

اس کے وعدوں کا آئے کیسے یقیں
مجھ کو تو بے وفا سا لگتا ہے

حالِ یارِ حزیں بتائیں کیا
درد میں مبتلا سا لگتا ہے

٭

اتنا وقارِ عشق تو پیدا کرے کوئی
ہر شے میں حسنِ یار کو دیکھا کرے کوئی

خودداریٔ وفا کو نہ رسوا کرے کوئی
وہ ظلم بھی کریں تو نہ شکوہ کرے کوئی

برہم نظامِ زیست نہ ہو جائے ایک دن
یوں سامنے کسی کے نہ آیا کرے کوئی

مجبور کر رہا ہے فریبِ جمالِ دوست
ہر جنبشِ نگاہ کو سجدہ کرے کوئی

بیتابِ دید ہو کے اٹھی ہے نگاہِ شوق
کہدو سنبھل کے دعویٰ پردا کرے کوئی

اللہ ری چشمِ مست کی یہ مے فروشیاں
ایسے میں کیا مجال جو توبہ کرے کوئی

کہتی ہے مجھ سے لذتِ آزارِ ہجرِ یار
اچھا ہے دردِ دل کو نہ اچھا کرے کوئی

*

کرلیا کیوں منتخب مجھ کو ستانے کے لیے
ایک میں ہی رہ گیا تھا کیا زمانے کے لیے

میں ثنا خواں بھی ہوں اس کا اورسجدہ ریز بھی
کرتا ہوں کیا کیا اسے اپنا بنانے کے لیے

یہ دلِ بدنام ہی میرا نہیں مشاقِ دید
حسن خود بیتاب ہے جلوہ دکھانے کے لیے

ایک وہ بزمِ جہانِ حسن کی تزئین ہیں
ایک میں بارِغمِ دنیا اٹھانے کے لیے

آج گلشن میں چلی کچھ ایسی بادِ تیز رو
چار تنکے بھی نہ چھوڑے آشیانے کے لیے

ہنسنے والو دیکھتا ہوں جب تمھیں ہنستے ہوئے
میرا جی بھی چاہتا ہے مسکرانے کے لیے

برملا کہنے لگے ہیں لوگ دیوانہ مجھے
بن گیا ہوں اک تماشہ میں زمانے کے لیے

کتنی عبرت ناک ہے اے یار میری زندگی
ہاتھ دھو بیٹھا ہوں دل سے ان کو پانے کے لیے

*

کرم نواز کرم تیرا عام ہو جائے
گناہگاروں میں میرا بھی نام ہو جائے

کبھی مجھے بھی ہو دیدار کا شرف حاصل
کبھی قبول مرا بھی سلام ہو جائے

مزا تو جب ہے تری میکشی کا اے ساقی
کہ لوں میں ہاتھ میں جو شے وہ جام ہو جائے

سنا ہے طور پہ موسیٰ نہ کرسکے باتیں
کبھی وہ مجھ سے تو کچھ ہمکلام ہو جائے

کمالِ حسنِ نظر ان کا کوئی دیکھے تو
اُدھر اٹھے وہ اِدھر اپنا کام ہو جائے

تسلیاں جو نہ دیں آ کے وہ تصور میں
گزارنا شبِ فرقت حرام ہوجائے

کسی کا نام جو رہتا ہے زیرِ لب اے یآر
خدا کرے مرا تکیہ کلام ہو جائے

٭

آئے ہیں وہ شبِ فرقت نہ قضا آئی ہے
پھر وہی میں ہوں وہی گوشۂ تنہائی ہے

پھونک دے روحِ مسرت مرے دل میں بھی کبھی
تُو مسیحا ہے ترا کام مسیحائی ہے

اُن کو دیکھا تو کچھ ایسا مجھے محسوس ہوا
جیسے برسوں کی مری اُن سے شناسائی ہے

انتہا بھی ہے کوئی ضبطِ مریضِ غم کی
مرتے مرتے بھی اسے پاسِ شکیبائی ہے

ہو چکا ہوں میں کئی بار جہاں سے واپس
پھر وہیں تیری محبت مجھے لے آئی ہے

مجھ سے دوری تجھے کر دے گی جہاں میں بدنام
پردہ داری یہ تری باعثِ رسوائی ہے

ہو کے بربادِ محبت اسے پہچانا ہے
دیکھیے کب مجھے اے یار سمجھ آئی ہے

❊

طے اپنی زندگی کا سفر کر رہا ہوں میں
جو کچھ ہے اس کو مدِ نظر کر رہا ہوں میں

ذکرِ جمالِ رشکِ قمر کر رہا ہوں میں
تارِ شبِ الم کو سحر کر رہا ہوں میں

یاد اُن کو دل میں شام و سحر کر رہا ہوں میں
گویا ادائے فرضِ بشر کر رہا ہوں میں

سب کچھ تو ہے خلوص و محبت مگر نہیں
حالاتِ حاضرہ پہ نظر کر رہا ہوں میں

ہر شے میں دیکھتا ہوں انہی کو میں جلوہ گر
اپنی نگاہِ شوق جدھر کر رہا ہوں میں

ان کو بلا رہا ہوں تصور میں بار بار
اب یوں علاجِ دردِ جگر کر رہا ہوں میں

اے یار ان کے حسن کی ہے بات ہی کچھ اور
اوروں کو پھر بھی زیبِ نظر کر رہا ہوں میں

٭

آیا تھا میرے سامنے خود حسن پیشتر
بد نام ہو رہی ہے جہاں میں مری نظر

میں دیکھتا ہوں ان کو بہر سمت جلوہ گر
بچ کر نگاہِ شوق سے جائیں گے وہ کدھر

شہرِ خلوصِ دل میں ہے ایسی بھی رہ گزر
اُن کی حریمِ ناز سے ہے جو قریب تر

کرتا میں کیا نہ دیکھتا اس کی طرف اگر
ہر شے جہانِ حسن کی تھی جاذبِ نظر

میں بیخودیٔ شوق میں بڑھتا چلا گیا
مجھ سے بچھڑ گئے رہِ منزل میں ہمسفر

مائل بہ التفات نہ ہوجائے وہ کہیں
میں چاہتا ہوں آہ میں پیدا نہ ہو اثر

دیکھا ہے بوئے گل میں سرِ طور بھی اسے
پہنچی کہاں کہاں ہے مری وسعتِ نظر

آئیں گے تیرے سامنے خود جلوہ ہائے حسن
اے چشمِ شوق! پیدا تو کر جراتِ نظر

میں یارِ بے دیار ہوں، غم خوردہ دلفگار
محرومِ التفات ہوں القصہ مختصر

اے یار اٹھا سکیں گے نہ یہ بارِ غم بھی وہ
بہتر ہے میرے مرنے کی اُن کو نہ ہو خبر

*

کرلیا ہے میں نے دنیا میں اب اس کا انتخاب
جس کی رحمت بیکراں ہے فضل جس کا بے حساب

کیا ہے یہ رنگینیٔ دنیا بتائیں تو جناب
یہ حقیقت ہے نظر میں یا ہے یہ کوئی سراب

بے وفا میں ہوں محبت میں کہ وہ ہیں بے وفا
فیصلہ اب اس کا خود ہو جائے گا روزِ حساب

اپنی ہی باتوں میں وہ الجھائے رکھتے ہیں مجھے
ٹال دیتے ہیں وہ یوں میرے سوالوں کے جواب

تابہ کے آتے رہیں گے ہم فریبِ حسن میں
آؤ اب سب مل کے کر دیں کیوں نہ اس کو بے نقاب

اُن کی خوئے بے وفائی میں نہ آیا کوئی فرق
یار گو آئے ہیں اکثر زندگی میں انقلاب

*

تری جستجو میں کب تک میں پھروں گا مارا مارا
مرے سامنے بھی ہو جا کبھی جلوہ گر خدارا

تری شانِ بے نیازی کوئی میرے دل سے پوچھے
ترا جورِ ناروا بھی مجھے ہو گیا گوارا

تہہِ بحرِ غم بھی ڈھونڈا، سرِ موجِ غم بھی دیکھا
مری کشتیٔ طلب کو نہ ملا کہیں کنارا

غمِ دل کا ہو نہ درماں، وہ کریں نہ مجھ پہ احساں
مری غیرتِ محبت نہ کرے گی یہ گوارا

ہے عبث یہ بارِ خاطر کوئی بات بھی ہو آخر
چلو تم ہی مجھ سے جیتے چلو میں ہی تم سے ہارا

یہ سمجھ میں یار آیا بڑی بے وفا ہے دنیا
نہ یہاں کسی کے ہم ہیں نہ یہاں کوئی ہمارا

٭

کچھ دیکھنے والوں کو مرا پاس نہ آیا
مجھ کو نظر اتنا کوئی حسّاس نہ آیا

دنیا کے ہر اک رنگ سے گزرا ہوں میں لیکن
دنیا کا کوئی رنگ مجھے راس نہ آیا

دیتا ہی رہا مجھ کو تصور میں تسلی
ہر چند پکارا وہ مگر پاس نہ آیا

ہر طرح گوارا ستم و جور تھے لیکن
وہ دَورِ محبت بھی مجھے راس نہ آیا

بدلی نہ وہ دیرینہ روش اس نے ابھی تک
الفت کا مری اس کو کبھی پاس نہ آیا

دل اپنا ترے حسن کی دولت سے غنی ہے
مجھ کو کبھی اندیشۂ افلاس نہ آیا

اے یار عیاں ہو کے رہا رازِ محبت
کیا نام کسی کا دمِ انفاس نہ آیا

*

ہر شے میں عکسِ حسنِ رخِ یار دیکھنا
ہے چشمِ شوق کتنی روادار دیکھنا

رُخ پہ کسی کے گیسوئے خمدار دیکھنا
ایسا ہے جیسے صبحِ شبِ تار دیکھنا

اے جانے والو! میرے لیے بھی دعا کرو
مجھ کو بھی ہو نصیب درِ یار دیکھنا

ہو جائیں جب خموش مرے دل کی دھڑکنیں
صبحِ شبِ فراق کے آثار دیکھنا

مدت ہوئی ہے ترکِ تعلق کیے ہوئے
دل چاہتا ہے پھر اسے اک بار دیکھنا

اے یارؔ یاد میں ہوں کسی کی غزل سرا
حسنِ خیال و خوبیٔ افکار دیکھنا

٭

حکم ہے نشرِ محبت کی کہانی نہ کریں
یعنی ہم ذکرِ غمِ دل بھی زبانی نہ کریں

کیا ستم ہے کہ تقاضا ہے یہ ضبطِ غم کا
ہم جوانی میں بھی احساسِ جوانی نہ کریں

ہو نہ جائے کہیں برہم یہ نظامِ عالم
آپ بہتر ہے کہ یوں جلوہ فشانی نہ کریں

ہم اگر حسنِ تصور کے نہ ہوں دیوانے
صبح رنگیں نہ کریں شام سہانی نہ کریں

کہتے ہیں وہ کہ محبت میں نہ نکلیں آنسو
ہے یہ تاکید کہ ہم آگ کو پانی نہ کریں

کر چکے فاش حقیقت کو بہت کچھ اے یارؔ
آپ اب اور عیاں رازِ نہانی نہ کریں

٭

اس کی نگہِ ناز سے اللہ بچائے
ہو بس میں جو اپنے تو کوئی دل نہ لگائے

اس دور میں ہونے لگے اپنے بھی پرائے
چلتے نہیں ہمراہ مرے اب مرے سائے

اپنے ستم و جور سے وہ باز نہ آئے
اک زخم ہو دل میں تو اسے کوئی دکھائے

دیکھا جو شبِ ہجر اسے خواب میں میں نے
آنسو مری آنکھوں میں خوشی سے اُبھر آئے

اب کشتۂ الفت پہ وہ مائل بہ کرم ہیں
کہتے ہیں کہ اس کو کوئی بالکل نہ ستائے

وہ باتوں ہی باتوں میں بگڑ جاتے ہیں اکثر
مقصد ہے کہ ہر بار انہیں کوئی منائے

اے یار مرا اب کوئی مونس ہے نہ ہمدم
اللہ دن ایسے بھی کسی کو نہ دکھائے

٭

شعاعِ مہر سے کچھ سازبازِ شبنم ہے
گلوں کا رنگ اُڑا جارہا ہے بُوکم ہے

سرِ نیاز ہے اور حسن یار پُرخم ہے
ملے جو دولتِ کونین بھی تو اب کم ہے

خطا معاف فریبِ کرم نہ دے مجھ کو
عزیز تجھ سے زیادہ مجھے ترا غم ہے

زمانہ سن تو رہا تھا مگر سنا نہ گیا
مرا فسانۂ غم پھر فسانۂ غم ہے

نگاہِ لطف سے تُو زخم ہائے دل کو نہ دیکھ
کہ اندمالِ جراحت فریبِ مرہم ہے

تجھے پکار رہا ہوں خفا نہ ہو اے دوست
مرا مذاق نہیں یہ مذاقِ عالم ہے

رہِ طلب کی یہ بے چارگی معاذاللہ
نہ کوئی یار ہے اپنا نہ کوئی ہمدم ہے

❊

گر نہیں غم سے آشنا، آدمی آدمی نہیں
عیش ہے ننگِ زندگی، حاصلِ زندگی نہیں

رازِ حیات اس پہ کیا فاش ہو جس نے پی نہیں
ہوش نہیں ہے ہوش اگر عالمِ بے خودی نہیں

ہوگا اب اور حال کیا تیرے مریضِ ہجر کا
زندگی تو ہے زندگی موت بھی پوچھتی نہیں

آیئے اب تو آیئے دل ہے جہاں سے بے نیاز
آپ کا اک خیال ہے اور یہاں کوئی نہیں

راہِ طلب میں کس قدر یار بھی بے نیاز ہے
غیر سے دشمنی نہیں یار سے دوستی نہیں

✳

اشکِ غم آنکھ میں آ آ کے مچل جاتے ہیں
لاکھ روکا انہیں لیکن یہ نکل جاتے ہیں

آزمائش ہے پھر ان کی مرے دل کو مقصود
کرکے اقرارِ محبت جو بدل جاتے ہیں

ہوتی ہے ہجر کی شب بزمِ تمنا روشن
شام سے دل کے چراغ آپ ہی جل جاتے ہیں

قابلِ رشک ہیں وہ بادہ کشانِ الفت
جو ہراک گام پہ گر گر کے سنبھل جاتے ہیں

کہتے ہیں پاسِ وفا ، پاسِ محبت اس کو
شمع جلتی ہے تو پروانے بھی جل جاتے ہیں

الجھنیں راہِ محبت میں وہی ہیں اب تک
زلفِ پیچاں کے ، نہ تقدیر کے بل جاتے ہیں

ہے عبث ہستیٔ فانی کا سہارا اے یارؔ
ہم اگر رہ بھی گئے آج تو کل جاتے ہیں

*

ہماری کائناتِ زندگانی دیکھتے جاؤ
کہیں غم ہے کہیں ہے شادمانی دیکھتے جاؤ

نہ دیکھی ہوگی ایسی موت تم نے دیکھنے والو!
اسے کہتے ہیں مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

کسی سے ہو رہا ہوں بادلِ نا خواستہ رخصت
خموشی کر رہی ہے ترجمانی دیکھتے جاؤ

ہیں گویا نیم باز آنکھیں لبِ جنباں یہ کہتے ہیں
کہ بجھنے کو ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

ارے توبہ کسی نے ضبطِ غم کی انتہا کردی
دمِ آخر کمالِ بے زبانی دیکھتے جاؤ

❊

نہ جانے مجھ سے عداوت ہے کیوں زمانے کو
بدل بدل کے جو آتا ہے یہ ستانے کو

جہاں بھی میں نے بنایا ہے آشیانے کو
پہنچ گئی ہیں وہیں بجلیاں جلانے کو

کجا وہ صحنِ گلستاں کجا یہ کُنجِ قفس
جگہ ملی تو کہاں میرے آب و دانے کو

شبِ فراق گزاری نہ ہو کبھی جس نے
میں جارہاہوں اسے حالِ دل سنانے کو

کیا نہ اس پہ کبھی غور ہنسنے والوں نے
کہ چاہتا ہے مرا جی بھی مسکرانے کو

نہ کوئی پاسِ وفا ہے نہ رسمِ ہمدردی
نہ جانے یارؔ ہوا کیا ہے اس زمانے کو

٭

نگاہِ شوخ اپنی جس طرف اس نے اٹھا دی ہے
تڑپ اٹھی ہے دنیا اور فطرت مسکرادی ہے

ابھی تک رقص کرتا ہے وہ میری زندگانی پر
جسے میں نے کچھ اپنی داستانِ دل سنادی ہے

جہاں کا ذرہ ذرہ تک مرا ممنونِ احساں ہے
مری نظروں نے اس کے حسنِ پنہاں کو جلا دی ہے

نہ پوچھو مجھ سے میری لذتِ دشواریٔ منزل
کہ اک اک گام پر میں نے انہیں دل سے دعا دی ہے

ازل سے آج تک اے یارگرمِ جستجو ہوں میں
مرے پہلو میں قدرت نے یہ دل سی چیز کیا دی ہے

*

کس نے اپنی جھلک دکھائی ہے
آنکھ مشتاق دل فدائی ہے

دولتِ درد دل نے پائی ہے
زندگی اس کو راس آئی ہے

ان کا دامن نہ ہاتھ سے چھوٹے
لذتِ غم تری دہائی ہے

ہائے مجبوریٔ اسیرِ قفس
سن رہا ہوں بہار آئی ہے

رازِ الفت نہ فاش ہو اے دل
منہ سے نکلی ہوئی پرائی ہے

٭

سکونِ زندگی حاصل نہیں ہے
زمانہ سازگارِ دل نہیں ہے

رخِ روشن پہ جو مائل نہیں ہے
وہ پتھر ہے یقیناً دل نہیں ہے

تری چشمِ کرم ہے دل پہ ورنہ
یہ تیرے حسن کے قابل نہیں ہے

عبث ہے مطمئن او مرنے والے!
یہ منزل آخری منزل نہیں ہے

دلِ معصوم پہ یہ جورِ پیہم
ترے پہلو میں شاید دل نہیں ہے

تکلف برطرف اب آ بھی جاؤ
یہاں کوئی سوائے دل نہیں ہے

کہاں ڈھونڈوں میں یارِ بے نوا کو؟
نشاں کوئی سرِ منزل نہیں ہے

❊

گلوں پہ جو شبنم گری روتے روتے
تو خوشبو اڑا لے گئی روتے روتے

خوشی آ کے رخصت ہوئی روتے روتے
گزرتی ہے اب زندگی روتے روتے

نہ چھیڑے مریضِ محبت کو کوئی
کہ وہ سوگیا ہے ابھی روتے روتے

گزارے ہیں یوں بھی شب و روز میں نے
کبھی ہنستے ہنستے کبھی روتے روتے

سمجھنا کسی کو نہ تم یار اپنا
یہ کہتا گیا ہے کوئی روتے روتے

*

خوب ہے ان کی دلستانی بھی
رہبری بھی ہے پاسبانی بھی

ہیں پسِ مرگ وا مری آنکھیں
عرضِ غم بھی ہے بے زبانی بھی

سرگزشتِ محبتِ ناکام
ہے حقیقت بھی اور کہانی بھی

آج وہ یاد آرہے ہیں مجھے
دردِ دل بھی ہے شادمانی بھی

کھو گیا ہوں تلاشِ منزل میں
گمرہی بھی ہے کامرانی بھی

ہوں ترا کشتۂ فریبِ نظر
مرگ بھی اور زندگانی بھی

کیوں نہ آئے کلامِ یار پسند
خوش بیانی بھی ہے روانی بھی

❋

یہ تقاضائے حسنِ فطرت ہے
میرے دل کی اسے ضرورت ہے

یہ تصنع نہیں حقیقت ہے
میری دنیا تری بدولت ہے

یاد کرتا ہوں صبح و شام اسے
یہ محبت بھی اک عبادت ہے

اکثر آتے ہیں میرے خواب میں وہ
یہ ملاقات بھی غنیمت ہے

میری نظریں ہیں موردِ الزام
دیکھنا بھی انہیں قیامت ہے

باہم اک دوسرے کی دلجوئی
حسنِ اخلاق و آدمیت ہے

وہ ہیں آسودہ میں ہوں تشنہ کام
یار یہ اپنی اپنی قسمت ہے

❊

یہ حقیقت ہے حقیقت جو تری جان گئے
اپنی ہستی سے وہ گزرے ترے قربان گئے

آج وہ سامنے آ آ کے بایں شان گئے
جو نہ مانے تھے کبھی وہ بھی انہیں مان گئے

رنگ و بوئے چمنِ دہر میں ہر چند چھپے
دیکھنے والے مگر آپ کو پہچان گئے

کہہ اٹھے وہ بھی کہ شاید کوئی دیوانہ ہے
دیکھ کر ان کو کچھ ایسے مرے اوسان گئے

اب نہ پہلی سی محبت ہے نہ پہلا سا کرم
اب کہاں آپ کے وہ وعدہ وپیمان گئے

بڑھ گیا جوشِ جنوں موسمِ گل آتے ہی
ہاتھوں ہاتھوں مرے دامان و گریبان گئے

کس کو کہتے ہیں سکوں یآر ہمیں کیا مطلب
ہم تو آئے تھے پریشان ، پریشان گئے

٭

دل میں وہ بیٹھے ہوئے ہر چند تابندہ رہے
ہم مگر ہر سُو جہاں میں ان کے جوئندہ رہے

کاش یوں ان کی محبت دل میں پائندہ رہے
نام میرا برزبانِ خلق، آئندہ رہے

جس کی وجہِ زندگی ہو آپ کی موجودگی
آپ ہی فرمایئے وہ تابہ کے زندہ رہے

خیر جانے دو تمہارا یہ تغافل ہی سہی
ہاں خیالِ وعدۂ فردا اب آئندہ رہے

رحم آنا تھا نہ آیا ان کو حالِ زار پر
ان سے ہم عرضِ تمنا کر کے شرمندہ رہے

کیوں کسی کے سامنے پھیلائیں ہم دستِ سوال
کیوں ہمارے دوش پر احسانِ بخشندہ رہے

اپنی ہستی صرفِ راہِ جستجو کر دی مگر
اس خسارہ پر بھی ہم اے یار آیا بندہ رہے

٭

سرِ شامِ غم جو چراغِ دل ترے انتظار میں جل گئے
نہ بجھا سکا کوئی جب انہیں تو وہ مہر وماہ میں ڈھل گئے

ترے راہروانِ تلاش میں کبھی راستے جو بدل گئے
تو حدودِ منزلِ زیست سے وہ کچھ اور آگے نکل گئے

سرِ راہِ شوق یہ مستیاں ترے میکشانِ نگاہ کی
کبھی چلتے چلتے وہ گر پڑے کبھی گرتے گرتے سنبھل گئے

میرے شوقِ دل کی یہ کیفیت ، رہِ جستجو میں یہ محویت
کہ مقامِ دیر و حرم ترے مرے سامنے سے نکل گئے

نکل آئے پھول وہاں وہاں وہ ٹھہر گئے تھے جہاں جہاں
اُڑی بوئے مشک اُدھر اُدھروہ جدھر جدھر سے نکل گئے

یہ میں ان کی یاد میں محو تھا کہ یہ میرا عالمِ سہو تھا
مجھے کچھ بھی علم نہ ہو سکا وہ ابھی ادھر سے نکل گئے

نہ وہ لطف ہے نہ وہ ہے کرم ہے ستم کہ یار پہ ہے ستم
میں سمجھ رہا ہوں انہیں وہی وہ مگر کبھی کے بدل گئے

*

میں خوش ہوتا ہوں جب کوئی ستم ایجاد ہوتا ہے
کہ لطفِ زندگی پروردۂ بیداد ہوتا ہے

نمودِ حسن ہوتی ہے حجابِ درد و حرماں میں
حقیقت میں وہی ہے شاد جو ناشاد ہوتا ہے

شبِ فرقت میں مری آنکھوں سے جو آنسو نکلتے ہیں
انھی سے کچھ سکونِ خاطرِ ناشاد ہوتا ہے

ہجومِ حسرتِ دل کا سبب ہے ان کی بے مہری
یہ گھر برباد جب ہوتا ہے تب آباد ہوتا ہے

قفس کو لے اڑوں یہ ہمتِ پرواز کہتی ہے
مگر پھر کچھ خیالِ خاطرِ صیاد ہوتا ہے

یہ جذباتِ محبت ہیں ابھر آتے ہیں جو اکثر
کہیں اے یارؔ دل بھی مائلِ فریاد ہوتا ہے

٭

کب سے رواں دواں ہیں محبت کے قافلے
لیکن وہی ہیں آج بھی کل تھے جو فاصلے

میں کیا بتاؤں اُن کی ادائیں ہیں کیوں پسند
دل کے معاملے ہیں یہ دل کے معاملے

میری نگاہِ شوق حرم تک پہنچ گئی
گو پردہ ہائے حسن میں مشکل تھے داخلے

ناز ان کو حسن پر ہے تو میں ہوں نیاز مند
اکثر یہ ہوتے رہتے ہیں باہم مقابلے

دیکھا کوئی حسین تو دل مدح خواں ہوا
اللہ رے کیا ہیں حسن و محبت کے رابطے

وہ ہیں وفا شعار کہ میں ہوں وفا شعار
ہو جائیں ایک دن نہ ہمارے محاسبے

اے یار دی ہے موت کو آواز بارہا
گزرے ہیں زندگی میں کچھ ایسے بھی حادثے

٭

ہر چند حسن و عشق میں کچھ رابطے ہوئے
لیکن رہِ طلب کے نہ کم فاصلے ہوئے

اب ان کی دید کے یہ نئے قاعدے ہوئے
ہم اجنبی کی طرح ملیں جانتے ہوئے

خیرہ نظر ہوئی تو گری دل پہ برقِ حسن
کیا کیا نہ زندگی میں مری حادثے ہوئے

لغزش ہوئی نہ پائے وفا کو مرے کبھی
اکثر امید و بیم میں گو معرکے ہوئے

نادم ہوں اپنی کثرتِ عصیاں پہ اس قدر
آتی ہے شرم فیض و کرم مانگتے ہوئے

ہم پاشکستہ بھی تھے شریکِ سفر مگر
منزل قریب تھی کہ جدا قافلے ہوئے

وہ کیا ملے کہ دولتِ کونین مل گئی
اے یار آن سے مل کے بڑے فائدے ہوئے

❊

یاد ان کو بے پناہ کیے جا رہا ہوں میں
لوگو! تمہیں گواہ کیے جا رہا ہوں میں

دل میں ہے درد آہ کیے جارہا ہوں میں
ان سے مگر نباہ کیے جا رہا ہوں میں

یوں اٹھ رہی ہیں میری محبت پہ انگلیاں
جیسے کوئی گناہ کیے جارہا ہوں میں

دَم ہے لبوں پہ ہجر کی شب اور ہوں خموش
تکمیلِ رسم و راہ کیے جا رہا ہوں میں

اتنا فراخ دل ہوں کہ اپنوں کا ذکر کیا
غیروں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

اے یار جیسے کوئی بڑی بات ہی نہیں
یوں زندگی تباہ کیے جارہا ہوں میں

*

آبرو رکھنی ہے مجھ کو تری یکتائی کی
عمر کچھ اور بڑھا دے مری تنہائی کی

شکر ہے تُو نے محبت کی پذیرائی کی
مہرباں ہو کے مری حوصلہ افزائی کی

ابتدا تُو جو کرے گا ستم آرائی کی
میں بھی خُو اپنی بنالوں گا شکیبائی کی

رنگ و بو میں بھی تجھے دیکھ لیا ہے میں نے
کوئی دیکھے تو رسائی مری بینائی کی

وہ کسی شے کا کسی سے نہیں طالب ہوتا
ہے یہ پہچان جہاں میں ترے شیدائی کی

بے وفائی کو بھی سمجھا ہےوفا ہی میں نے
کی ہے اس طرح حفاظت تری رسوائی کی

پا ہیں خونناب مگر ہوش نہیں ہے مجھ کو
انتہا بھی ہے کوئی بادیہ پیمائی کی

مجھے اے یآر وہ ملتے ہیں تو غیرو ں جیسے
بات کچھ اور ہی ہوتی ہے شناسائی کی

*

کرتے ہیں برہمی کو فروعاجزی سے ہم
دیتے ہیں دشمنی کا صلہ دوستی سے ہم

کچھ کر سکے نہ ان کی کنارہ کشی سے ہم
دیکھا کیے ہیں ان کو بڑی بے بسی سے ہم

بزمِ جہاں میں بیٹھے ہیں اک اجنبی سے ہم
گم نام ہو گئے ہیں کسی کی کمی سے ہم

تنگ آ گئے ہیں ان کی جفا پروری سے ہم
ایسا نہ ہو کہیں کہ گزر جائیں جی سے ہم

سب سے ہیں پُر خلوص تعلقات ہمارے
ملتے نہیں کسی سے کبھی بے دلی سے ہم

مانگی ہے زندگی کی دعا ہم نے بھی کبھی
بے زار ہو گئے ہیں کبھی زندگی سے ہم

آنے نہ پائے لغزشِ پا راہِ شوق میں
پیچھے رہے نہ جوشِ جنوں میں کسی سے ہم

کل تک جو حسن والوں سے حسنِ سلوک تھا
ملتے ہیں ان سے آج بھی زندہ دلی سے ہم

٭

وہ فضاؤں میں ہیں نہ ہیں گِل میں
چھپ کے بیٹھے ہیں گوشۂ دل میں

رابطہ ان سے ہو گیا ہے مرا
اب نہ آئے کوئی مقابل میں

حال میرا بھی پوچھتے وہ کاش
میں بھی بیٹھا تھا ان کی محفل میں

اُن سے ملنے کی آرزو تھی کبھی
یہ تمنا بھی اب نہیں دل میں

آڑے آتی ہے ہر قدم پہ مرے
اُن کی الفت مرے مشاغل میں

خواہشِ دید حاصلِ نادید
پڑ گیا ہوں میں کیسی مشکل میں

ان سے کہنے گیا تھا حال اپنا
آ گیا پھر نہ جانے کیا دل میں

کیوں ہے خاموش اب اسیرِ وفا
شور وہ کیوں نہیں سلاسل میں

کوئی پتھر نہ مارے مجنوں کو
لیلیٰ کہتی رہی یہ محمل میں

یار باقی ہیں کیا ابھی کچھ اور
مشکلیں میری راہِ منزل میں

❊

شخصیت وہ نظر نہیں آتی
جو کسی کام اگر نہیں آتی

دل وہ کیا ہے جو درد مند نہیں
آنکھ وہ کیا جو بھر نہیں آتی

اپنے دل سے انہیں بھلانے کی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

چاہتا ہوں جیوں خوشی کے ساتھ
راس وہ بھی مگر نہیں آتی

پہلے رہتا تھا مست خواب شباب
نیند اب بیش تر نہیں آتی

کیا کہوں داستانِ غم ہے طویل
یہ مجھے مختصر نہیں آتی

اُن سے کہتا تو ہوں میں حالِ دل
بات کرنی مگر نہیں آتی

ہے عبث یار شکوۂ فرقت
ہجر کی شب سحر نہیں آتی

٭

کوئی دیکھے تو کہ کیا مانگا تھا کیا دینے لگے
یعنی وہ ہم کو طلب سے بھی سوا دینے لگے

راز افشائے محبت کچھ تو آنکھیں ہوگئیں
اور پھر کچھ لوگ بھی اس کو ہوا دینے لگے

مرحبا تجھ کو مبارک یہ نمک پاشی تری
زخم ہائے دل مجھے بھی اب مزا دینے لگے

لذتِ آزار کہتی ہے طبیبِ عشق سے
تُو دوا ایسی نہ دے اب جو شفا دینے لگے

مبتلائے سعیِ راہِ شوق مجھ کو دیکھ کر
نقشِ پائے یار منزل کا پتا دینے لگے

مشکلیں اپنی بھی بڑھتے بڑھتے ہو جائیں گی حل
چوٹیں کھا کر جس طرح آہن صدا دینے لگے

تم سمجھ لینا کہ ہیں میری وفائیں کامیاب
یار جب میری رگِ جاں خوں بہا دینے لگے

٭

میرے دل کا سکوں تھی ان کی ذات
زندگی کے حسین تھے لمحات

فضلِ حق کے زباں پہ تھے نغمات
بہتر اپنے تھے سارے معمولات

پھر جو قسمت نے چھوڑا میرا ساتھ
رہ گیا اپنے سر پہ رکھ کر ہاتھ

میری جیسی نہ ہو کسی کی حیات
زندگی میں ہے انتظارِ ممات

چل دیے وہ بھی چھوڑ کر مجھ کو
رہتے تھے جو ہمیشہ میرے ساتھ

بعض اوقات ہوتا ہے محسوس
جیسے ان کو گئے ہو کل کی بات

دن میں آجاتے ہیں نظر تارے
تارے گن گن کے کاٹتا ہوں رات

چین سے سونے والے کیا جانیں
ہوتی ہے مجھ پہ کتنی بھاری رات

یار آجاتے ہیں وہ یاد مجھے
جب سرِ شام ملتے ہیں دن رات

٭

آ شوق سے تُو مجھ کو ستانے کے لیے آ
یہ حسنِ تعلق ہی بڑھانے کے لیے آ

کچھ میں ہی نہیں ہوں تری مشتاق ہے دنیا
پردہ جو ہے مجھ سے تو زمانے کے لیے آ

یہ پاسِ ادب تھا کہ لیا نام نہ تیرا
تُو خود ہی کبھی نام بتانے کے لیے آ

ہر چند کہ نفرت ہے تجھے اہلِ وفا سے
پھر بھی تُو کبھی روٹھ کے جانے کے لیے آ

کرتی تھیں کبھی جو شبِ تاریک کو روشن
شمعیں وہ محبت کی جلانے کے لیے آ

اچھی نہیں یہ ضد کہ سدا میں ہی بلاؤں
تُو بھی تو کبھی مجھ کو بلانے کے لیے آ

دو چار ہی تنکوں کا سہی میرا نشیمن
اے برق! اسے بھی تو جلانے کے لیے آ

ہو دور دلِ یار سے یہ الفتِ دنیا
تُو حسن و ادا ناز دکھانے کے لیے آ

٭

پہلے تو جب ہم ملے صاحب سلامت ہو گئی
پھر نجانے کیوں مجھے ان سے محبت ہو گئی

یہ تو بتلاؤ ستم پرور نہیں ہو تم اگر
میری حالت ایسی پھر کس کی بدولت ہو گئی

اُن کو جانا تھا تو جاتے جانے والوں کی طرح
وہ گئے ایسے کہ دنیا محوِ حیرت ہو گئی

زندۂ جاوید ہو کر آج وہ دنیا میں ہے
زندگی جس کی کبھی نذرِ محبت ہو گئی

وہ نہ تھے پہلے ستمگر وہ تو یہ کہیے کہ اب
مجھ پہ کی مشقِ ستم اتنی کہ عادت ہو گئی

جب سے دیکھی ہے تجلی میں نے ان کے حسن کی
رونقِ بزمِ جہاں سے مجھ کو نفرت ہو گئی

ہو کے خوش مولا نے میری سب خطائیں بخش دیں
اپنے عصیاں پر مجھے کچھ یوں ندامت ہوگئی

وہ ابھی تک آتے رہتے ہیں تصور میں مرے
اُن سے گو بچھڑے ہوئے اے یآر مدت ہو گئی

❊

میں ہو بے کس اور عصیاں بے شمار
المدد اے رحمتِ پروردگار

سب سے ہو باہم محبت اُستوار
زندگی کا اس پہ ہے دارومدار

کرتے ہیں عہدِ وفا وہ بار بار
اُن کے وعدوں کا نہیں کچھ اعتبار

مجھ سے ملنا ان کو ہے گر ناگوار
شکل ہی اپنی دکھا دیں ایک بار

پہلے تھے ان سے مراسم خوشگوار
پھر یکایک چھا گیا ان پر غبار

جاں بہ لب ہوں کرتے کرتے انتظار
کیا کرے گی آ کے اب فصلِ بہار

گلشنِ دل میں خزاں پرودہ ہوں
میں نے دیکھی ہی نہیں شکلِ بہار

ہمنوا میرا زمانہ تھا کبھی
یار اب کوئی نہیں ہے میرا یار

٭

میرا اب کوئی شریکِ غم نہیں
میرا یہ غم بھی کسی سے کم نہیں

بخششِ عصیاں نہ ہوگی حشر میں
گر کوئی چشمِ ندامت نم نہیں

میں نے مانا ہیں بہت میرے گنہ
اُس کی رحمت بھی مگر کچھ کم نہیں

آئے گا لطفِ نیاز و ناز اگر
اُس کی چشمِ آتشیں برہم نہیں

یہ شبِ غم سے تصادم تابہ کے
دیکھیں اب رہتی ہے وہ یا ہم نہیں

ہے نگاہِ لطف ہی اس کا علاج
زخمِ دل کو حاجتِ مرہم نہیں

اپنا حالِ دل بیاں کچھ کر سکوں
یار اب اتنا بھی مجھ میں دم نہیں

*

فریبِ چشم آئینہ نہیں تھا
کہ نظارہ پسِ پردہ نہیں تھا

مرے سر میں کوئی سودا نہیں تھا
مرا جب ان سے کچھ رشتہ نہیں تھا

میں تھا نووارِدِ شہرِ محبت
ادھر سے میں کبھی گزرا نہیں تھا

نظر ان پر پڑی تھی اتفاقاً
مرا یہ فعل دانستہ نہیں تھا

تمنائیں بھی تھیں ہمراہ میرے
میں راہِ شوق میں تنہا نہیں تھا

بگڑ بیٹھے ذرا سی بات پر وہ
یہ ان کا فعل شائستہ نہیں تھا

شریکِ غم رہی ہے یاد ان کی
میں تنہا ہو کے بھی تنہا نہیں تھا

٭

اچھی نہیں اپنوں سے یہ آپ کی روپوشی
در پردہ کرم میں ہے کیسی یہ ستم کوشی

عکسِ نظرِ ساقی جب تک نہ پڑے اس پر
بے کیف ہے صہبا وہ بے کار ہے مے نوشی

ہر چند چھپاتا ہوں حال اپنا زباں سے میں
کہہ دیتی ہے آنکھوں سے پھر بھی مری خاموشی

وہ سامنے ہیں میرے میں محوِ نظارا ہوں
یہ ہوش کا عالم ہے یا ہے مری بے ہوشی

پیمانہ و ساغر کے محتاج نہیں مے کش
کرلیتے ہیں ساقی کی آنکھوں سے وہ مے نوشی

اے یار یہ ہے اب تو حالِ دلِ آشفتہ
گہِ شدتِ بے تابی گہِ عالمِ خاموشی

❊

مجھ کو جو اپنے دل سے سراسر بھلائے ہے
وہ پھر بھی بار بار مجھے یاد آئے ہے

یادشِ بخیر راہِ طلب میں چلا تو ہوں
اب دیکھنا ہے کیا مری قسمت دکھائے ہے

دَورِ طرب بھی میرا ہوا نذرِ دَورِ غم
مجھ کو کوئی خوشی نہ کبھی راس آئے ہے

گزرا ہوں فرطِ شوق میں جس رہ گزر سے میں
وہ میری داستانِ محبت سنائے ہے

یہ اتّصالِ حسن و محبت بھی خوب ہے
اپنے کو غیر غیر کو اپنا بنائے ہے

جام و صبو کی بادہ کشی بھول جاتا ہوں
آنکھوں سے اپنی جب وہ مجھے خود پلائے ہے

دیوانہ ہوشیار ہے کتنا بکارِ خویش
دن میں کسی کی یاد میں شمعیں جلائے ہے

کر دیتا ہے جو دوست کو بیزار دوست سے
ایسا بھی ایک وقت محبت میں آئے ہے

خود تو نہیں ہے وعدۂ فردا کا پاس اسے
تہمت وہ بے وفائی کی مجھ پر لگائے ہے

شکوہ کسی سے ہے نہ گلہ ہے کسی سے یآر
قسمت میں جو لکھا ہے وہ قسمت دکھائے ہے

٭

آتشیں گلہائے فرقت سے چمک اٹھا ہے باغ
جل رہے ہیں ہر طرف گویا محبت کے چراغ

اب نہ میں ہوں ہوش میں اپنے نہ حاضر ہے دماغ
وہ جو آجائیں تو ہو جائے مرا دل باغ باغ

جب دلوں میں جلنے لگتے ہیں محبت کے چراغ
ڈال دیتا ہے فلک نفرت کی ان میں بیل داغ

اب مرے سوزِ دروں سے شعلے بھی اٹھنے لگے
ہستیٔ فانی کے جلنے سے نہیں ممکن فراغ

آرہے ہیں دیکھنے کو اب وہ میرا حالِ زار
دے گیا ہے صبح دم آکر یہ خوش خبری ایاغ

یار اس راہِ محبت کی نہیں ہے کوئی حد
اس میں کھو جائے جو انساں کیا ملے اس کا سراغ

*

یوں تو آتے اور جاتے ہیں بہت
وہ مگر کچھ یاد آتے ہیں بہت

آتے ہیں وہ اور نہ دیتے ہیں جواب
ہم انہیں اکثر بلاتے ہیں بہت

کچھ نہ کچھ تو ان میں خوبی تھی ضرور
ورنہ کیوں وہ یاد آتے ہیں بہت

جب ستم ہوتے تھے ازراہِ کرم
دن ہمیں وہ یاد آتے ہیں بہت

ہم تو ان کو چھیڑ دیتے تھے کبھی
وہ مگر ہم کو ستاتے ہیں بہت

روزِ اول وعدۂ فردا ہے گو
پھر بھی وہ باتیں بناتے ہیں بہت

زندگی میں تو نہ لی میری خبر
خواب میں لیکن وہ آتے ہیں بہت

یار یہ ان کے کرم کی بات ہے
مانگتے ہم کم ہیں پاتے ہیں بہت

٭

ان کا کرم جو پہلے تھا وہ اب کرم نہیں
محفل میں ان کی سب ہیں مگر ایک ہم نہیں

کرتے ہیں وہ ستم تو کوئی فکروغم نہیں
مجھ سے یہ رابطہ بھی محبت سے کم نہیں

عفو گنہ کو عجز و ندامت بھی شرط ہے
بخشش کبھی نہ ہوگی اگر آنکھ نم نہیں

لطف و کرم سے ان کے وہ ہوگا نہ مستفید
دل میں اگر کسی کے کوئی رنج و غم نہیں

جھیلیں ہیں جس نے یار شبِ غم کی کلفتیں
مشکل اسے مسافتِ راہِ عدم نہیں

٭

قیس و لیلیٰ کی کہانی اور ہے
حالِ دل میری زبانی اور ہے

دردِ دل زخمِ جگر کے ماسوا
کیا کوئی ان کی نشانی اور ہے

ترجمانِ دل ہیں گو آنکھیں مری
پھر بھی کچھ کہنا زبانی اور ہے

کر چکے ہیں گو ستم وہ بارہا
پھر بھی دل میں بد گمانی اور ہے

زندگی ہے اک حیاتِ عارضی
اک حیاتِ جاودانی اور ہے

تابہ کے ہو انتظارِ وصلِ یار
اب تو میں نے دل میں ٹھانی اور ہے

❊

ترے جلوے ہیں سحر آ گیں نہاں ہو کر
کریں کیا یہ خدا جانے عیاں ہو کر

کمالِ حسن تو دیکھے کوئی اس کا
کہ ہر شے میں عیاں ہے وہ نہاں ہو کر

خدارا مائلِ رحم و کرم ہو جا
نہ کر ظلم و ستم تو آسماں ہو کر

وہ کمسن ہیں تو ہے یہ حال ابھی ان کا
کریں گے کیا نجانے وہ جواں ہو کر

ہوا مت دے خدارا آتشِ دل کو
مرے ارماں نہ اڑ جائیں دھواں ہو کر

تکلف بر طرف اب سامنے ہو جا
عبث ہے پردہ داری دلستاں ہو کر

مرے گلہائے افسردہ بھی کھل جائیں
جو آئے تو بہارِ گلستاں ہو کر

خودی کو تیاّر کردو نذرِ الفت تم
کہ مشہورِ جہاں ہو داستاں ہو کر

*

کرتا ہوں میں برداشت ہر اک کرب و بلا کو
رکھتا ہوں سدا پیشِ نظر تیری رضا کو

تخلیقِ جہاں کا ہے بشر سے یہ تقاضا
کہ صبح و مسا وقفِ زباں حمدِ خدا کو

یہ بھی تو نہیں کم کہ ہو رسوائے زمانہ
اب اور نہ بدنام کرو رسمِ وفا کو

حالت ترے بیمار کی ناگفتہ ہے اب تو
آنے میں مگر پھر بھی تکلف ہے قضا کو

لے جاتی ہے بوئے گلِ خنداں کو اڑا کر
نفرت ہے گلستاں سے مرے بادِ صبا کو

ہو یار مرے حالِ پریشاں کا بھی احساس
سلجھائیں جو الجھی ہوئی وہ زلفِ دوتا کو

نظمیں

فریبِ وفا

دیکھا باتّفاق کہ اک پیکرِ جمال
جس کے مجسمے سے نمایاں تھا اعتدال

معصومیت سے کھیل رہی تھی بطرز ناز
قدرت کے اٹھ رہے تھے معاً پردہ ہائے راز

آنکھوں میں آب، آب میں شامل حیا بھی تھی
تھا درسِ زیست، زیست میں داخل قضا بھی تھی

تھی زیرِ لب وہ موجِ تبسم کہ الاماں
اندازِ گفتگو میں بلا کی تھیں شوخیاں

گویا بڑھا رہی تھی وہ دامانِ اتّقا
نظروں سے دے رہی تھی مجھے دعوتِ وفا

لایا نہ تابِ دید کہ انسان ہی تو تھا
اپنا سمجھ لیا اسے انجان ہی تو تھا

صبروسکون، ہوش و خرد ،عقل و فہم سب
پیشِ حضور نذر کیے میں نے باادب

پھر اتّصال ِحسنِ محبت نہ پوچھیے
ہاں یاد ہے وہ دورِ محبت نہ پوچھیے

ناگاہ افتتاح ہوئی انقلاب کی
باتیں وہ مجھ سے کرنے لگی اجتناب کی

دیکھا جو ایک دن تو وہ ثابت قدم نہ تھی
آنکھوں میں اس کی گرمیِ ذوقِ کرم نہ تھی

معصومیت تھی اس میں نہ وہ محویت ہی تھی
وہ رنگِ دلکشی تھا نہ وہ اصلیت ہی تھی

پوچھا جو میں نے یارکہ ہے کیا یہ ماجرا
فرمایئے تو مجھ سے ہوئی کون سی خطا

کہنے لگے بگڑ کے تعجب ہے کیا تجھے
یہ سب مرا فریب تھا اک دل کے واسطے

ہوتا ہے کب کسی کا جہاں میں کوئی حسیں
انجام تُو نے عشق کا شاید سنا نہیں

ہے یہ خیالِ خام ترا اس سے بازآ
کرتا نہیں کسی سے کوئی آج کل وفا

یہ کہتے ہی نہ جانے کہاں وہ سما گئی
میری حیاتِ غم کو فسانہ بنا گئی

٭

یاد آتے ہیں نہ جانے کیوں مجھے وہ بار بار

جب گلستانِ جہاں میں آتی ہے فصلِ بہار
خوشبوئے گل سے مہکنے لگتا ہے جب سبزہ زار
سبز پتوں سے درختوں پر جب آتا ہے نکھار
حسنِ رنگیں دیکھ کر ہوتا ہے دل جب بیقرار

یاد آتے ہیں نجانے کیوں مجھے وہ بار بار

سامنے آتے ہیں جب گردابِ بحرِ بیکراں
آنے لگتی ہیں امید و بیم کو جب ہچکیاں
غرق جب طوفاں میں ہوتی ہیں شکستہ کشتیاں
آنکھ بھر آتی ہے جب میں دیکھتا ہوں یہ سماں

یاد آتے ہیں نجانے کیوں مجھے وہ بار بار

تُو خدائے دو جہاں ہے اے مرے پروردگار
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتے ترے لیل و نہار
کوئی ہے آسودۂ الفت تو کوئی دلفگار
ہوتا ہے جب دوسرے کے غم میں کوئی اشکبار
یاد آتے ہیں نہ جانے کیوں مجھے وہ بار بار

میں نے دیکھا ہے تجھے

میں نے دیکھا ہے تجھے

پردہ ہائے حسن میں اکثر نظامِ دہر میں
یا ترحم کی ادا میں ، رنگ میں یا قہر میں

فکرِ شاعر میں کبھی مطرب کے نغموں میں کبھی
موجِ ساحل میں کبھی ،دریا کی لہروں میں کبھی

پُر فضا نورِ افق کے دلفریب انداز میں
خوشنما رنگِ شفق کے پردہ ہائے ناز میں

صبح دم یا بوئے گلہائے گلستاں میں کہیں
عرصۂ صحرا کے یا خارِ مغیلاں میں کہیں

انتہائے یاس میں ، شادابیٔ امید میں
بیکسوں کی بے کسی میں شادماں کی عید میں

روشنیٔ مہر میں رنگینیٔ مہتاب میں
دن کے سازِ ہوش میں شب کے سکوتِ خواب میں

جلوہ ہائے حسن کی رنگینیوں کے راز میں
جانفزاموجِ تبسم کے لطیف انداز میں

نیم شب کو ایک مظلومِ جہاں کی آہ میں
اشک ہائے چشم کی گہرائیوں کی تھاہ میں

یارکے بھی درد میں غم میں دلِ ناکام میں
یاس میں بیتابیوں میں عشق بے انجام میں
میں نے دیکھا ہے تجھے

قطعہ

یہ تھا اک امتحانِ قیس ورنہ
وہ حسن و جلوۂ لیلیٰ نہیں تھا
بالآخر قیس پر عقدہ کھلا یہ
خدا تھا کچھ پسِ پردا نہیں تھا

☆

حسیں تھے اور بھی اے یار لیکن
وہ جیسے تھے کوئی ویسا نہیں تھا

☆

ٹھکرایا ہے تُو نے مری ہر ایک دعا کو
کیا لوگ کہیں گے تری مستانہ ادا کو

رسمِ عقیقہ

حارث کی اور عمر کی یہ رسمِ عقیقہ ہے
باحسنِ انتظام ہے اور باسلیقہ ہے
ہو اُن کے باپ و ماں کو مبارک یہ جشنِ نو
یہ بھی تو زندگی میں ادائے فریضہ ہے

3اکتوبر 1998
کراچی

نوحے

یادگارِ انیس

شاہکارِ انیس لکھتا ہوں
حالِ زارِ انیس لکھتا ہوں
تھام لو یار دل کو ہاتھوں سے
یادگارِ انیس لکھتا ہوں

قطعات

جب آسماں کے اٹھائے گئے نہ ظلم و جور قیودِ رسمِ
محبت پہ خوب کر کے غور
بحالِ زار عزیزانِ ہند کو چھوڑا
پسند کر لیا میری انیس نے لاہور

●

جاگتے ہی جاگتے تم سو گئیں
آنکھوں ہی آنکھوں میں رہ کر کھو گئیں

کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا مری
محوِ حیرت ہوں کہ تم کیا ہو گئیں

تکمیل ہو رہی تھی ابھی تو ہلال کی
تعجیل ایسی کیا تھی فلک کو زوال کی
کیوں لے لیا انیسؔ مہِ نو کو گہن میں
لوٹی کمائی کیوں مری پچیس سال کی

●

تم نے جب سے یہ دن دکھایا ہے
سب کی نظروں کو آزمایا ہے
ہائے آیا سمجھ میں اب میری
کون اپنا ہے اور پرایا ہے

●

افسانۂ انیسؔ بھلایا نہ جائے گا
یہ بارِ غم تو مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا
ناسور ہو گیا ہے دلِ ناصبور میں
کھایا ہے زخم وہ کہ دکھایا نہ جائے گا

ہاں منع کیا تھا کب میں نے جانا تھا تمہیں تو جاتیں تم
آئی تھیں اگر تو لازم تھا دو چاردفعہ اور آتیں تم
کیوں رشتۂ الفت توڑ دیا کیوں دیس پرانا چھوڑ دیا
اے کاش نہ ہوتیں اتنی خفا اے کاش نہ یوں تڑپاتیں تم

●

کیوں دیکھتے ہی دیکھتے نیند آگئی تمہیں
یہ کیا ہوا یہ کس کی نظر کھا گئی تمہیں
دامِ فریبِ مرگ سے شاید نہ بچ سکیں
انجام زندگی کا وہ سمجھا گئی تمہیں

●

کیونکر مٹے گا یار یہ دختر کا داغ ہے
رونا ہے اس کا اور کہ دو گھر کا داغ ہے
ممکن نہیں کہ رنگِ جہاں اس پہ چڑھ سکے
یہ مبتلائے غم دلِ مضطر کا داغ ہے

ذی عقل،ذی شعور تھیں روشن دماغ تھیں
آنکھوں کی روشنی مرے دل کا چراغ تھیں
سر سبز اون کو رکھنے کی کرتا تھا کوششیں
میں باغباں تھا اور وہ پھولوں کا باغ تھیں

●

یہ کیا کررہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے
کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے
کہیں آمدِ صبح کہیں شامِ رخصت
کوئی پا رہا ہے کوئی کھو رہا ہے

●

کوئی شادماں ہے کوئی رو رہا ہے
کوئی مضطرب ہے کوئی سو رہا ہے
نظامِ جہاں ہے بدستور لیکن
کہ جیسے کہیں کچھ نہیں ہو رہا ہے

نوحہ بایادگارِ انیس جہاں بیگم

زندہ اونھیں کردے ابھی اے میرے خدا اور
چل جائے جہاں میں تری قدرت کا پتا اور

اے کاش نہ ہوتیں وہ ابھی ہم سے جدا اور
لاہور سے آتیں ابھی دو چار دفعہ اور

کھاتیں چمنِ دہر کی کچھ اور ہوائیں
ماں باپ کی لیتیں ابھی کچھ روز دعا اور

یہ ظلم ہی کیا کم تھا کہ لاہور اونھیں بھیجا
کرنا نہ فلک اون پہ ابھی جوروجفا اور

کیا پھونک دیا کان میں ان کے یہ کسی نے
دنیا کی بہار اور ہے جنت کی فضا اور

اللہ ری متانت کہ بہر حال وہ خوش تھیں
لیتیں ابھی کچھ لذتِ تسلیم و رضا اور

کی بات بھی کھل کر نہ کبھی پاسِ ادب سے
دینا تھا جہاں کو سبقِ شرم و حیا اور

کچھ دیکھ تو لیتیں وہ جوانی کی بہاریں
اے کاش نہ ہوتیں ابھی دنیا سے خفا اور

اے یاد تمنا تھی کہ زندہ تھا میں جب تک
آتی میرے کانوں میں ابھی اون کی صدا اور

(مقیم لاہور)

نوحہ معہ تاریخِ وفات عزیزہ انیس جہاں بیگم

اف ہو رہے ہیں لیل و نہارِ انیس ختم
دنیا سے کر رہے ہیں شمارِ انیس ختم

ضعفِ جگر ہوا بہ خمارِ انیس ختم
قوت ہوئی بحالتِ زارِ انیس ختم

نبضوں میں آگئی تھی مگر گرمیٔ حیات
بڑھ کر ہوئی بدست و بخارِ انیس ختم

اللہ ری زندگی کی یہ عجلت پسندیاں
اس کم سنی میں کردیے کارِ انیس ختم

کیا تھی فلک کو ضد کہ کیا پہلے گھر سے دور
پھر کردیا ہے صبر و قرارِ انیس ختم

سب کو جو تھا پسند جو ہر دل عزیز تھا
افسوس ہوگیا وہ شعارِ انیس ختم

کرتا رہے گا یاد جہاں اون کی خوبیاں
ہوگا کبھی نہ عزّووقارِ انیس ختم

رنگینیاں تھیں جس کی بصد رشِ گلستاں
اب ہو گیا وہ دورِ بہارِ انیس ختم

رہ رہ کے یاد آتی ہے وہ شکلِ دل فریب
دل سے نہ ہوں گے نقش ونگارِ انیس ختم

دل سے اٹھا کرے گا یہ بن بن کے دردِ آہ
ہوگا نہ زندگی میں غبارِ انیس ختم

تاریخ و سال کی جوہوئی یار جستجو
آئی ندا کہ اب ہے بہارِ انیس ختم

(۲۳ محرم) ۱۳۷۴ھ

یادِ نفیس

یہ وہ فلک نہیں ہے کہ یہ وہ زمیں نہیں
کیا یہ مکاں وہی ہے کہ جس کا مکیں نہیں
ہر چند سن رہا ہوں کہ وہ دلنشیں نہیں
آتا مگر مجھے کسی عنواں یقیں نہیں

قطعہ تاریخِ شہادت

رنجور ہیں ،غریب بھی ،غمگیں،رئیس بھی
پیدا ہے دل میں درد بھی ہوتی ہے ٹیس بھی
تسکینِ قلب ہوتی ہے اک گونہ یاد سے
اے یار کیا نفیس ہے ذکرِ نفیس بھی

۱۳۸۳ھ

قطعہ تاریخِ شہادت

سب کی شریکِ درد تھیں وہ سب کی ہم مذاق
جویائے اتفاق تھیں اور دشمنِ نفاق
فکرِ مصالحت میں وہ رہتی تھیں مبتلا
"وائے نہ تھا خیال مقدر میں ہے فراق"

۱۹۶۳ء

قطعہ تاریخِ شہادت

چشمِ الفت ہو گئی محرومِ دید
بن گئی شامِ محرم، صبحِ عید
آہ کھائی ایسی اک ضربِ شدید
کر گئی جو اون کو بالآخر شہید

قطعہ بروزِ عید

دل میں دردو ملال ہے ایسا
کیا بیاں ہو کہ حال ہے ایسا
عید کے دن بھی اپنی عید نہیں
زندگی کا یہ سال ہے ایسا

کتبۂ قبرِ شہیدہ

یہ قبر اک شہیدۂ رشکِ قمر کی ہے
حالت یہ آج کشتۂ شق الجگر کی ہے
افسانۂ حیات اب اے یار ختم شد
اک منزل خیال یہ اہلِ نظر کی ہے

نوحہ

مفقود ہر جگہ ہیں صبروقرارِ عالم
پروردگارِ عالم یہ اضطرارِ عالم

اک بارگی اٹھا ہے وائے غبارِ عالم
ہے صورتِ خزاں کچھ رنگِ بہارِ عالم

ہوتا ابھی نہ حکمِ ترکِ دیارِ عالم
رکھتا کچھ اور اون کو تو درکنارِ عالم

اب رونما ہوئے تھے نقش و نگارِ عالم
اے کاش دیکھ لیتیں وہ بھی بہارِ عالم

کیوں دفعتاً اٹھایا دنیا سے اونکو تو نے
کیا اونکی نو جوانی تھی وجہِ بارِ عالم

پژمردہ ہو گئے ہیں گلہائے صحنِ گلشن
شرمندۂ خزاں ہے رنگِ بہارِ عالم

اپنوں کی تھیں وہ ہمدم غیروں کی تھیں وہ مونس
اونکا خلوصِ الفت تھا شاہکارِ عالم

ہر شعبۂ جہاں میں مقبولِ عام تھیں وہ
عالم فدا تھا اون پر وہ تھیں نثارِ عالم

مدِ نظر تھا ہر دم پاسِ وقارِ انساں
دیکھا کبھی نہ اونکو منّت گزارِ عالم

لائیں نہ مرتے دَم تک وہ حالِ دل زباں پر
تھیں کتنی اللہ اللہ وہ رازدارِ عالم

ہیں پھول بھی چمن میں رونق مگر نہیں ہے
تھا ایک اونکے دَم سے لطفِ بہارِ عالم

اے یآر کچھ یہی ہے اب سرگزشت میری
اک ہستیٔ محبت ہے دلفگارِ عالم

سیدہ بلقیس جہاں بیگم

بنت: سید شوکت علی کانپوری

اہلیہ: محمد عزیز یار خان

فضا میں مگر آہ گُل ہوگیا
محبت کا تھا جو چراغِ تمنا

●

یار جن کی زندگی تھی اک مثالی زندگی
ہوگئی ہے اب وہی خواب و خیالی زندگی

●

تمنا تھی دل میں کریں طوافِ کعبہ
مگر ہوگیا گُل چراغِ ارادہ

بات تو اے یآر یہ ہے اک شبِ دیجور کی
جب ہوئی تھی ایک دم سے ختم منزل دور کی

●

اے یآر کوئی دیکھے رحلت سی ہے یہ رحلت
وہ حیف کہ ہم سب سے بے وقت ہوئیں رخصت

●

شام سے راہِ شفق اے یآر خونی ہو گئی
محفلِ عیش و مسرت وائے سونی ہوگئی

●

کیا خبر تھی حیف السر کینسر ہو جائے گا
دردِ معدہ رات کو دردِ جگر ہو جائے گا

●

ستم ظریفئ دنیا تو دیکھیے اے یآر
کہ مجھ کو چھوڑ گئیں وہ مری ضعیفی میں

نوحہ

ابھی دنیا میں کچھ دن اور رہ لیتیں تو اچھا تھا
محبت کی کہانی اور کہہ لیتیں تو اچھا تھا

ابھی سیرِ گلستانِ جہاں کچھ اور کرنا تھی
فضائے رنگ و بوئے گل میں بہہ لیتیں تو اچھا تھا

زمانہ زندگی میں کروٹیں اکثر بدلتا ہے
غمِ دنیا ابھی کچھ اور سہہ لیتیں تو اچھا تھا

یہ مانا کچھ دنوں سے مبتلائے دردِ دل تم تھیں
مگر کچھ آپ بیتی مجھ سے کہہ لیتیں تو اچھا تھا

یکا یک کردیا دنیا سے کیوں عزمِ سفر تم نے
ابھی کچھ اور میرے ساتھ رہ لیتیں تو اچھا تھا

نوحہ

سید شوکت علی

مکدر ہے فضا کیوں بے کسی سے
گیا ہے کون بزمِ آگہی سے
کنارہ کش ہے کیوں ہر شے خوشی سے
یہ روٹھا کون اپنی زندگی سے
کہاں کا دورِ ساغر کیسا مینا
کہ سب اترے ہوئے ہیں اپنے جی سے
عبث ہے شکوۂ دنیا عبث ہے
کبھی کی ہے وفا اسنے کسی سے

کتبہ

(تاریخِ پیدائش ۱۰ مئی ۔ تاریخ، وفات ۲۱ مارچ ۱۹۷۲)

محمد عتیق یار خان مرحوم

ولد

محمد عزیز یار خان

کس قدر مقبول تھا اور کس قدر تھا تو خلیق
چھوٹے بھی کرتے تھے الفت اور بڑے بھی تھے شفیق
تھی ذہانت کس غضب کی ، تھی نظر کتنی عمیق
فیصلے سے تیرے ہوجاتے تھے خوش دونوں فریق
کردیئے آساں جو آئے سامنے کار دقیق
آخرش کہتے ہیں اس ہمت کو اب سب ہی عتیق

کتبہ

(پیدائش ۱۴ اپریل۔تاریخِ وفات ۸ دسمبر ۲۰۰۴)

محمد عزیز یار خان یآر

ولد

محمد سعادت یار خان مرحوم

نشانِ مہروفا نازِ اعتبار ہوئے
وہ ایک خانِ معمر تھے ذی وقار ہوئے
اگر ہے موت ہی سچائی زندگی میں رضیؔ
غریقِ قلزمِ صادق عزیز یار ہوئے

خواجہ رضی حیدر ۱۴ دسمبر ۲۰۰۴

●

علم و دانش کی زلف آرائی
گفتگو میں وقارو دانائی

ایک عالم ادیب اور شاعر
روزوشب محوِ خامہ فرسائی

آئینہ دل و آئینہ صورت
عکس درعکس تھی پزیرائی

فہم و ادراک اور حضرت یار
عقل نے جن سے خود جِلا پائی

وہ گئے کیا کہ ایک عہد گیا
اب تماشہ نہ وہ تماشائی

چشمِ حیراں کو کون سمجھائے
موت آنی تھی ایک دن آئی

عقیدت مند؛ ڈاکٹر سید عظمت علی (علیگ)

۶۸۶

یادگارِ انیس

مصنفہ

از محمد عزیز یار خانصاحب یار، پدرِ دل افگار

(الکیم پور کھیروی)

شاہکارِ انیس لکھتا ہوں * حالِ زارِ انیس لکھتا ہوں

تھام لو یار دل کو ہاتھوں سے * یادگارِ انیس لکھتا ہوں

ناشر

سید محمد ذوالفقار علی (دعم مرحومہ) بکسیلر حکیم وصی روڈ آگرہ

سنہ ۱۹۵۴ء

مشہور خبتری لیتھو آگرہ طبع شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطعات

جب آسماں کے اُٹھائے گئے ہر ظلم و جور
قیودِ رسمِ محبت پہ خوب کر کے غور

بحالِ زار۔ عزیزانِ ہند کو چھوڑا
پسند کر لیا۔ میری انیس نے لاہور

جاگتے ہی جاگتے تم سو گئیں
آنکھوں ہی آنکھوں میں کھو گئیں

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا مری
محوِ حیرت ہوں کہ تم کیا ہو گئیں

تکمیل ہو رہی تھی ابھی تو ہلال کی
تعجیل ایسی کیا تھی فلک کو زوال کی

کیوں لے لیا انیسِ مہ نو کو گہن میں
لوٹی کمائی کیوں مری پچیس ۲۵ سال کی

قطعات

تم نے جب سے یہ دن دکھایا ہے
سب کی نظروں کو آزمایا ہے

ہائے آیا سمجھ میں اب میری
کون اپنا ہے اور پرایا ہے

افسانۂ انیس بھلایا نہ جائے گا
یہ بارِ غم تو مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا

ناسور ہو گیا ہے دلِ ناصبور میں
کھایا ہے زخم وہ کہ دکھایا نہ جائے گا

ہاں منع کیا تھا کب میں نے ۔ جانا تھا تمھیں تو جاتیں تم
آئی تھیں اگر تو لازم تھا ۔ دو چار دفعہ اور آتیں تم

کیوں رشتۂ اُلفت توڑ دیا ۔ کیوں دیس پرانا چھوڑ دیا
اے کاش نہ ہوتیں اتنی خفا ۔ اے کاش نہ یوں تڑپاتیں تم

قطعات

کیوں دیکھتے ہی دیکھتے نیند آگئی تمھیں
یہ کیا ہوا۔ یہ کس کی نظر کھا گئی تمھیں
دامِ فریبِ مرگ سے شاید نہ بچ سکیں
انجام زندگی کا وہ سمجھا گئی تمھیں

کیونکر مٹے گا یار یہ دختر کا داغ ہے
رونا ہے اس کا اور کہ وہ گھر کا داغ ہے
ممکن نہیں کہ رنگِ جہاں اس پہ چڑھ سکے
یہ مبتلائے غم، دلِ مضطر کا داغ ہے

ذی عقل، ذی شعور تھیں، روشن دماغ تھیں
آنکھوں کی روشنی، مرے دل کا چراغ تھیں
سرسبز ان کو رکھنے کی کرتا تھا کوششیں
میں باغباں تھا اور وہ پھولوں کا باغ تھیں

قطعات

یہ کیا کر رہے ہو! یہ کیا ہو رہا ہے
کوئی ہنس رہا ہے۔ کوئی رو رہا ہے
کہیں، صبحِ آمد۔ کہیں شام رخصت
کوئی پا رہا ہے۔ کوئی کھو رہا ہے

کوئی شادماں ہے۔ کوئی رو رہا ہے
کوئی مضطرب ہے۔ کوئی سو رہا ہے
نظامِ جہاں ہے بدستور لیکن
کہ جیسے کہیں کچھ نہیں، ہو رہا ہے

نوحہ معہ تاریخ وفات عزیزہ انیس جہاں بیگم

اُف۔ ہو رہے ہیں لیل و نہارِ انیس ختم
دُنیا سے کر رہے ہیں شمارِ انیس ختم

ضعفِ جگر ہوا بہ خمارِ انیس ختم
قوّت ہوئی بحالتِ زارِ انیس ختم

مضموں میں آ گئی تھی مگر گرمیٔ حیات
بڑھ کر ہوئی بدست و بخارِ انیس ختم

اللہ ری۔ زندگی کی یہ عجلت پسندیاں،
اِس کم سنی میں کر دئے کارِ انیس ختم

کیا تھی فلک کو ضد کہ کیا پہلے گھر سے دور
پھر کر دیا ہے صبر و قرارِ انیس ختم

سب کو جو تھا پسند۔ جو ہر دل عزیز تھا
افسوس ہوگیا وہ شعارِ انیس ختم

کرتا رہے گا یاد جہاں اُن کی خوبیاں
ہوگا کبھی نہ عزّ و وقارِ انیس ختم

کچھ دیکھ تو لیتیں وہ جوانی کی بہاریں
اے کاش نہ ہوتیں، ابھی دُنیا سے خفا اور

اے یار تمنّا تھی کہ زندہ تھا میں جب تک
آتی میرے کانوں میں، ابھی اون کی صدا اور

نوحہ بہ یادگار انیس جہاں بیگم مقیم لاہور

زندہ اونھیں کر دے ابھی اے میرے خدا اور
چل جائے جہاں میں تری قدرت کا پتا اور

اے کاش نہ ہوتیں وہ ابھی ہم سے جدا اور
لاہور سے آتیں ابھی ۲ دو چار دفعہ اور

کھاتیں چمنِ دھر کی کچھ اور ہوائیں
ماں باپ کی لیتیں ابھی کچھ روز دعا اور

یہ ظلم ہی کیا کم تھا کہ لاہور اونھیں بھیجا
کرتا نہ فلک اون پہ ابھی جور و جفا اور

کیا پھونک دیا کان میں اون کے یہ کسی نے
دنیا کی بہار اور ہے جنت کی فضا اور

اللہ رے متانت کہ بہر حال وہ خوش تھیں
لیتیں ابھی کچھ لذتِ تسلیم و رضا اور

کی بات بھی کھل کر نہ کبھی پاسِ ادب سے
دیتا تھا جہاں کو سبقِ شرم و حیا اور

رنگینیاں تھیں جس کی بعد رشکِ گلستاں،
اب ہو گیا وہ دورِ بہارِ انیسؔ ختم

رہ رہ کے یاد آتی ہے وہ شکل دل فریب،
دل سے نہ ہوں گے نقش و نگارِ انیسؔ ختم

دل سے اٹھا کرے گا یہ بن بن کے دودِ آہ
ہوگا نہ زندگی میں غبارِ انیسؔ ختم

تاریخ وصال کی جو ہوئی یارؔ جستجو،
آئی ندا۔ کہ اب + ہے بہارِ انیسؔ ختم

(۲۳ر محرم) — سنہ ۱۳۷۴ھ

۷۸۶

یادِ نفیس

مصنفہ

خان صاحب بہادر
محمد عزیز زمان جنت پدر دلفگار

قطعہ

یہ وہ فلک نہیں ہے کہ یہ وہ زمیں نہیں
کیا یہ مکاں وہی ہے کہ جسکا مکیں نہیں
ہر چند سُن رہا ہوں کہ وہ دلنشیں نہیں
آتا مگر مجھے کسی عنواں یقیں نہیں

ناشر
عبدالسلیم خاں شوہر نفیس جہاں بیگم
عرف - فرزانہ سلیم شہیدہ

قطعہ تاریخ شہادت

رنجور ہیں غریب بھی غمگیں رئیس بھی
پیدا ہے دل میں درد بھی ہوتی ہے ٹیس بھی
تسکین قلب ہوتی ہے اک گونہ یاد سے
اے یار کیا نفیس ہے ذکرِ نفیس بھی

سنہ ۱۳۸۳ھ

قطعہ تاریخ شہادت

سب کی شریکِ درد تھیں وہ سب کی ہم مذاق
جویائے اتفاق تھیں، اور دشمن نفاق
فکرِ مصالحت میں وہ رہتی تھیں مبتلا
"وائے نہ تھا خیال، مقدر میں ہے فراق"

سنہ ۱۹۶۴ء

قطعہ تاریخ شہادت

چشم الفت ہو گئی محروم دید
بن گئی شام محرم صبح عید

آہ کھائی ایسی اک ضرب شدید
کر گئی جو اُن کو بالآخر شہید

۴۲ + ۱۳۴۱ = ۱۳۸۳ھ

۲۳۰ + ۱۱۵۳ = ۱۳۸۳ھ

قطعہ بروز عید

دل میں درد و ملال ہے ایسا
کیا بیاں ہو کہ حال ہے ایسا

عید کے دن بھی اپنی عید نہیں
زندگی کا یہ سال ہے ایسا

"کتبۂ قبر شہیدہ"

یہ قبر اک شہیدۂ رشکِ قمر کی ہے

۱۳۸۳ھ

حالت یہ آج کشتۂ شوقِ الجگر کی ہے

۱۹۶۳ء

افسانۂ حیات اب اے یاؔس ختم شد

۶۱۹ ۱۳۴۴

۱۹۶۳ء

اک منزلِ خیال یہ اہلِ نظر کی ہے

۲۱- ۱۹۹۹+ ۱۵-

۱۹۶۳

نوحہ

مفقود ہو گیا ہے صبر و قرار عالم — پروردگار عالم یہ اضطرار عالم

۱۳۸۳ھ — ۱۹۶۳ء

اکبارگی اُٹھانے والے غبار عالم — ہے صورت خزاں کچھ رنگ بہار عالم

۱۳۸۳ھ — ۱۹۶۳ء

ہوتا ابھی نہ حکم ترک دیار عالم — رکھتا کچھ اور اُنکو تو درکنار عالم

۱۳۸۳ھ — ۱۹۶۳ء

اب رونما ہوئے ہیں نقش و نگار عالم — اے کاش دیکھ لیتیں وہ بھی بہار عالم

کیوں دفعتاً اُٹھایا دنیا سے اونکو تو نے — کیا اونکی نوجوانی تھی وجہ بار عالم

پژمردہ ہو گئے ہیں گلہائے صحن گلشن — شرمندۂ خزاں ہے رنگ بہار عالم

اپنوں کی تھیں وہ ہمدم غیروں کی تھیں وہ مونس
اُنکا خلوصِ الفت، تھا شاہکارِ عالم

ہر شعبۂ جہاں میں مقبولِ عام تھیں وہ
عالم فدا تھا اُن پر وہ تھیں نثارِ عالم

زیرِ نظر تھا ہر دم پاسِ وقارِ انساں
دیکھا کبھی نہ اُنکو منّت گذارِ عالم

لائیں نہ مرتے دم تک وہ حالِ دل زباں پر
تھیں، کتنی اللہ اللہ وہ رازدارِ عالم

ہیں پھول بھی، چمن بھی، رونق مگر نہیں ہے
تھا ایک اُنکے دم سے لطفِ بہارِ عالم

"اے یاسر کچھ یہی ہے اب سرگذشت میری"

۱۹۶۳ء

اک ہستیٔ محبت ہے دلفگارِ عالم

+

۱۳۸۳ھ

تواریخِ وفات

سیّدہ بلقیس جہاں بیگم

بنتِ

سیّد شوکت علی صاحب مرحوم
کانپوری

اہلیہ

محمد عزیز یار خاں ' یارؔ - کراچی

وفات: ۲۴ ر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ - ۳ بجے شب
مطابق ۱۱ ر مئی ۱۹۸۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

فِضا میں، مگر آہ گُل ہوگیا ہے

۲۴۶

محبّت کا تھا جو چِراغِ تمنّا

۱۷۴۲

۱۹۸۸ء

یارِ جنکی زندگی تھی اک مثالی زندگی

۱۴۰۸ھ = ⑲ - ۱۴۲۷

ہوگئی ہے اَب وہی خواب و خیالی زندگی

۱۴۰۸ھ = ۱۷ + ۱۳۹۱

تمنّا تھی دِل میں کریں طوفِ کعبہ

مگر ہوگیا گُلُ چِراغِ ارادا

۱۴۰۸ھ

بات تو اے یارؔ یہ ہے اک شبِ دیجور کی

۱۴۰۸ھ = (۷) - ۱۴۱۵

جب ہوئی تھی ایکدم سے ختم منزل دور کی

۱۹۸۸ء

اے یارؔ کوئی دیکھے رحلت سی ہے یہ رحلت

وہ حیف کہ ہم سب سے بے وقت ہوئیں رخصت

۱۸۷۹ + ۱۰۹

۱۹۸۸ء

شام سے راہِ شفق اے یارؔ خونی ہوگئی

۲۰۰۸ - (۲۰) = ۱۹۸۸ء

محفلِ عیش و مسرّت وائے سونی ہوگئی

۱۴۰۸ھ

کیا خبر تھی حیف، السر کینسر ہو جائے گا

۱۹۸۸ء

دردِ معدہ رات کو دردِ جگر ہو جائے گا

۱۳۹۱ + (۱۷) = ۱۴۰۸ھ

ستم ظریفیٔ دنیا تو دیکھئے اے یارؔ

۱۹۸۷ + (۱) = ۱۹۸۸ء

کہ مجھ کو چھوڑ گئیں وہ مری ضعیفی میں

۱۴۱۶ - (۸) = ۱۴۰۸ھ

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

نوحہ

ابھی دُنیا میں، کچھ دن اور رہ لیتیں تو اچھا تھا
محبّت کی کہانی اور کہہ لیتیں تو اچھا تھا

ابھی سیرِ گلستانِ جہاں، کچھ اور کرنا تھی
فضائے رنگ و بوئے گل میں بہہ لیتیں تو اچھا تھا

زمانہ زندگی میں کروٹیں اکثر بدلتا ہے
غمِ دنیا ابھی کچھ اور سہ لیتیں تو اچھا تھا

یہ مانا کچھ دلوں سے مبتلائے دردِ دل تم تھیں
مگر کچھ آپ بیتی مجھ سے کہہ لیتیں تو اچھا تھا

یکایک کردیا دنیا سے کیوں، عزمِ سفر تم نے
۱۴۰۸ھ = (۱۶) ـــ ۱۴۲۴
ابھی کچھ اور میرے ساتھ رہ لیتیں تو اچھا تھا

۱۹۸۸ء

۷۸۶

رسمِ عقیقہ

حارث کی اور عمر کی یہ رسمِ عقیقہ ہے
با حُسنِ انتظام ہے اور با سلیقہ ہے

ہو اُنکے باپ ماں کو مبارک یہ جشنِ نو
یہ بھی تو زندگی میں ادائے فریضہ ہے

محمد عزیز یار جاں یار
۳؍ اکتوبر ۹۸ء
کراچی

”بھائی جان“

(مختصر، جامع سوانح حیات)

قبلہ ”بھائی جان“ کی شاعری اور ادبی کاوشوں معہ غزلیات، نظمیات، قطعات اور حمدیہ ونعتیہ کلام کے بارے میں معزز ادبی زعماء، شاعر، نقاد اور ہم مشرب وہمعصر احباب کی آراء وتبصرے ”بھائی جان“ کی تین شائع شدہ کتب میں موجود ہیں، جن سے قطع نظر یہاں میں ”بھائی جان“ کی صد سالہ ذاتی زندگی پر محیط ایک مختصر سوانح قلمبند کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

واضح رہے کہ ہم سب بہن بھائی اپنے والد، محمد عزیز یار خان کو ”بھائی جان“ کے نام سے پکارتے ہیں، اپنی والدہ ماجدہ سیدہ بلقیس جہاں بیگم کو ”آپا“

جبکہ اپنے دادا حضور محمد سعادت یار خان آفریدی کو "ابا" کہا کرتے تھے۔
بھائی جان کی پیدائش مورخہ 4 اپریل 1904 بمقام قائم گنج، فرخ آباد، شمالی ہندوستان میں آفریدی خیل کے محمد سعادت یار خان آفریدی کے متمول گھرانے میں ہوئی۔

"بھائی جان" کی کمسنی میں ہی ان کی والدہ ماجدہ (ہماری بڑی دادی) انتقال کر گئیں۔ بعد ازاں دادا حضور نے دوسری شادی کی مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس طرح "بھائی جان" اکلوتے پن کا شکار تمام عمر، ماں جائے سگے بہن و بھائی کی محبت سے محروم و نا آشنا رہے۔

بھائی جان کی ابتدائی تعلیم و تربیت، اردو، فارسی و انگریزی سے شغف اور اردو شاعری سے رغبت لکھنؤ و اودھ کی مضافاتی آبادی لکھیم پور کھیری کے تہذیبی و ادبی ماحول میں پروان چڑھی۔

مکتبی تعلیم کی تکمیل کے بعد بھائی جان، اترپردیش کے سرکاری محکموں میں ملازمت کے ساتھ ساتھ مقامی و مضافاتی محافل مشاعرہ میں گاہے بگاہے

شرکت کرتے رہے۔

ستمبر 1927 میں بھائی جان کی شادی، کانپور کے ایک سید گھرانے میں سید شوکت علی مرحوم کی صاحبزادی سیدہ بلقیس جہاں بیگم سے ہوئی اور یوں ان کی شادی شدہ زندگی کا آغاز ہوا جس کے نتیجہ میں ان کی ہاں بارہ اولادیں پیدا ہوئیں۔ جن میں تین صاحبزادیاں اور نو صاحبزادے شامل ہیں.

1-انیس جہاں بیگم مرحومہ (1928-1954)

2-محمد شفیق یار خان مرحوم عرف اچھن میاں (1930-2024)

3۔نفیس جہاں بیگم مرحومہ (1932-1963)

4۔محمد خلیق یار خان مرحوم عرف پتن میاں (1933-2022)

5۔محمد عتیق یار خان مرحوم عرف پیارے میاں (1934-1972)

6۔محمد وثیق یار خان، کمسن مرحوم عرف لڈن میاں (1937-1937)

7۔محمد عقیل یار خان مرحوم عرف چھبن میاں (1939-2014)

8۔محمد شکیل یار خان عرف شکن میاں (1941)

9۔محمد جمیل یار خان عرف نوشہ میاں (1943)

10۔محمد مجیب یار خان مرحوم عرف دولھا میاں (1945-1998)

11۔عزیز جہاں بیگم عرف ریحانہ (1947)

12۔محمد قدیر یار خان عرف نور میاں (1952)

لکھیم پور اور گردونواح کے مشاعروں میں بھائی جان اپنے ساتھ اکثر اپنے بڑے صابزادے عتیق یار خان عرف پیارے میاں کو ساتھ لے جاتے جو اپنی خوش گلو آواز میں ترنم سے بھائی جان کا کلام پڑھا کرتے۔

تقسیمِ ہند کے دوران اور اس کے بعد بھی ہمارے علاقے اور اس کے گردونواح، فسادات سے محفوظ، پرامن رہے۔ ہمارے دادا محمد سعادت یار خان اور والد صاحب نے پاکستان ہجرت کرنے کا کوئی ارادہ نہ کیا۔

بھائی جان کو اپنی زندگی کا پہلا شدید صدمہ اس وقت سہنا پڑا جب ان کی سب سے بڑی اور لاڈلی شادی شدہ بیٹی انیس جہاں بیگم کا مختصر علالت کے بعد لاہور میں جوان العمری میں سنہ 1954 میں بعمر 26 برس، انتقال ہوا،

تقسیم ہند کے بعد مرحومہ انیس جہاں اپنے شوہر اور ایک نوعمر بیٹی کے ہمراہ پاکستان منتقل ہوگئیں تھیں۔

اسی دوران بھائی جان کے دو بڑے بیٹے شفیق یار خان اور خلیق یار خان، علیگڑھ و بمبئی یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر کے تلاش روزگار کے حصول میں کراچی، پاکستان ہجرت کر چکے تھے۔

بڑی بیٹی کے انتقال اور دو بڑے بیٹوں کی ہجرت کے بعد دادا اور بھائی جان نے بھی بصد مجبوری بقیہ خاندان کے ساتھ سنہ 1955 کے اوائل میں پاکستان ہجرت کر کے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔

بھائی جان پاکستان ہجرت سے قبل انڈیا میں اپنی سرکاری ملازمت سے قبل از وقت استعفی دے کر آئے تھے۔ کراچی میں فراغت کے دنوں میں ان کی ملاقات لکھیم پور کے ایک پرانے واقف کار سید رضا علی صاحب سے ہوئی۔ انہوں نے بھائی جان کو کراچی میں اپنے "رضا علی کالج" میں بطور اردو لیکچرار اور جز وقتی محرر کے طور ملازمت فراہم کی۔

اس دوران بھائی جان کے والد محمد سعادت یار خان مختصر علالت کے بعد سنہ 1959 میں بعمر اسی برس انتقال ہوا۔

بھائی جان کی زندگی کا دوسرا بڑا سانحہ اس وقت پیش آیا جب ان دوسری لاڈلی جوان العمر شادی شدہ بیٹی نفیس جہاں بیگم کی ایک ٹریفک حادثہ میں اکتوبر سنہ 1963 میں بعمر 31 برس رحلت ہوئی۔ انتقال کے وقت مرحومہ کی تین نوعمر بیٹیاں اور ایک نومولود بیٹا تھا۔

نو برس کے مختصر عرصہ میں دو جوان بیٹیوں کے انتقال کے بعد بھائی جان بجھ سے گئے۔ شدید رنج والم کی کیفیت نے خاموشی اور گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ اس کیفیت کا اظہار ان کی شاعری اور دو نوحوں سے عیاں ہے جو اس کتاب کا حصہ ہیں۔

بھائی جان کو اپنی زندگی کا تیسرا صدمہ مارچ سنہ 1972 میں اٹھانا پڑا جب ان کے جوان العمر بیٹے محمد عتیق یار خان عرف پیارے میاں کا لیورپول، برطانیہ میں قلب کی دوسری جراحی کے فوری بعد بعمر 37 برس انتقال ہو گیا۔

مرحوم پیارے میاں ایک بیوہ اور تین کمسن بیٹے اپنے پیچھے چھوڑ کر گئے۔

سنہ 1978 اور 1981 میں بھائی جان مرحوم یکے بعد دیگرے دو روڈ ایکسیڈنٹ سے دوچار ہوئے۔ دوسری مرتبہ ٹانگ کی ہڈی سرجری کے کئی ماہ بعد بحال ہوئی اور بغیر کسی سہارے کے چلنے پھرنے کے قابل ہوئے اور پھر الحمدللہ تادم مرگ مکمل ہوش وحواس میں صحتمند وتندرست رہے جس کی بنیادی وجہ غالباً ان کی خوراک میں میانہ روی اور زیادہ سے زیادہ پیدل چلنے کی عادت اور خود کو متحرک رکھنا تھا۔

سنہ 1984 کے اوائل میں مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ بھائی جان کے اب تک کے لکھے ہوئے دستی شاعرانہ کلام کو مجتمع کر کے کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے۔ کئی سال قبل سنہ ساٹھ کی دہائی میں بھائی جان کی غزلوں، نظموں اور حمدیہ ونعتیہ کلام پر مبنی ان کے ہاتھ سے خوشخط لکھی ہوئی ڈائری کہیں کھو گئی جو باوجود تلاش بسیار دستیاب نہ ہو سکی۔ اس گمشدہ ڈائری میں بھائی جان کا گذشتہ 40 برس پر محیط لکھا ہوا کلام درج تھا۔ یہ ایک اور صدمہ اور غیر

معمولی ادبی نقصان تھا۔ جس کی تلافی کے لیے بھائی جان نے اپنی یادداشت کے انحصار پر اپنے گمشدہ کلام کو از سرِ نو مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر آمد شدہ کلام کو مجتمع کیا۔ جس کو میں نے اپنی تحویل میں لیکر اپنے محسن، محب و مربی جناب خواجہ رضی حیدر اور تعبیر احمد اغائی کی سرپرستی میں ترتیب، تدوین اور انتخاب کی شکل میں پہلا دیوان "لذت آزار" کے عنوان کے تحت شائع کروانے کا اہتمام کیا۔ جس کی اشاعت سنہ 1986 میں پایہ تکمیل ہوئی، جو قبلہ بھائی جان اور تمام افرادِ خانہ کیلئے بے انتہا مسرت، طمانیت اور فخر کا باعث بنی۔

اور پھر بھائی جان سنہ 1988 میں ایک اور جانگداز صدمہ سے دوچار ہوئے جب ہماری والدہ ماجدہ "آپا" یعنی بھائی جان مرحوم کی رفیق حیات 61 برس کی طویل رفاقت کے بعد بھائی جان کو داغِ مفارقت دے کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

اس صدمہ کے شدید اثرات بھائی جان کی زندگی پر تادمِ مرگ رہے۔ آپا

کے انتقال پر نوحے کے دو اشعار بطور تاریخ وفات، ان کیفیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

☆

یکا یک کر دیا دنیا سے کیوں عزم سفر تم نے
ابھی کچھ اور میرے ساتھ رہ لیتیں تو اچھا تھا

☆

ستم ظریفی دنیا تو دیکھئے اے یار
کہ مجھکو چھوڑ گئیں وہ میری ضعیفی میں

سنہ 1990 میں بھائی جان کے بقیہ کلام کا دوسرا دیوان بعنوان "نوائے دل یار" شائع ہوا۔ اس دیوان کی ترتیب، تدوین وانتخاب میں جناب میر حامد علی کانپوری اور قبلہ رضی حیدر بھائی نے اپنا بھرپور کردار بحسن وخوبی ادا کیا، اس دیوان کی اشاعت قبلہ بھائی جان کی مسرت، طمانیت اور فخر وانبساط کا اضافی

ذریعہ بنی۔

اس کے بعد بھائی جان کے "حمدیہ ونعتیہ" کلام کے بھی دو کتابچے شائع ہوئے۔

سنہ 1996 میں بھائی جان قبلہ، حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ دوران حج منیٰ وعرفات میں قیام کے دوران آتشزدگی کے حادثہ سے دوچار ہوئے۔ کراچی میں واپسی پر حج کی تھکان اور عرفات کے حادثہ کے زیر اثر خاصہ عرصہ صاحبِ فراش رہے۔

سنہ 1998 ماہ نومبر میں 84 برس کی عمر میں بھائی جان ایک آخری صدمہ سے دوچار ہوئے جب ان کے 53 برس کی عمر کے صاحبزادے محمد مجیب یار خان، اچانک دل کا دورہ پڑنے انتقال کر گئے۔ بھائی جان کی زندگی میں ان کی اہلیہ، دو صاحبزادیوں اور دو صاحبزادوں کے بعد یہ پانچویں اولاد تھی جو ان کے سامنے داعی اجل ہوئی۔

سنہ 2004 ماہ فروری میں بھائی جان کو دل کا دورہ پڑا۔ میں فوری طور پر

کینیڈا سے کراچی پہنچا۔ جب تک وہ صحتیاب ہو کر گھر آ چکے تھے۔

بھائی جان ماشاءاللہ اپریل سنہ 2004 میں سو سال کی عمر کو پہنچ کر بھی الحمدللہ صحتمند، چست و توانا تھے، چہل قدمی کے ساتھ اپنے تمام کام خود کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

قبلہ بھائی جان نے اپنی صد سالہ زندگی میں صدمات و غم و آلام کے علاوہ اپنی تین صاحب زادیوں اور آٹھ صاحب زادوں کی شادی خانہ آبادی کی خوشیاں بھی دیکھیں اور اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھائیں۔

بھائی جان نے ایک نوعمری میں انتقال کر جانے والے صاحبزادے محمد وثیق یار خان کے علاوہ بقیہ اولادوں کی اولادیں اور کئی ایک کی شادیاں دیکھیں۔ خاندان کے کئی نو بیاہتا جوڑوں کیلئے "سہرے" بھی لکھے جو بد قسمتی سے محفوظ نہ رہ پائے۔

بھائی جان کا آخری کاغذی شعری مجموعہ کلام "متاعِ عزیز" کی اشاعت سنہ 2009 میں مکمل ہوئی جس کی ترتیب، تدوین اور اشاعت میں خواجہ رضی

حیدر بھائی کی معاونت ہمارے بڑے بھائی شفیق یار خان اور جمیل یار خان نے کی۔

اور اب سنہ 2024 میں ان کے تینوں کاغذی مطبوعہ دیوان بشمول کلام "حمد ونعتِ عزیز" کی ازسرنو برقی کتابت و برقی اشاعت کا اہتمام پائے تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور یوں درج ذیل دیوان Digital Composing اور Pdf میں برقی اشاعت پر آپ کے کمپیوٹر اسکرین، اسمارٹ فون اور ریختہ سمیت اردو کی کئی ممتاز ویب سائٹس پر محظوظ و محفوظ ہونے کیلئے برقی طور پر دستیاب ہونگے۔

- لذت آزار
- نوائے دل یار
- حمد ونعت عزیز
- متاع عزیز

4 دسمبر 2004 کو بھائی جان پر دل کا دوسرا دورہ پڑا۔ افراد خانہ کی

موجودگی میں اطمینان سے باآواز بلند کلمہ پڑھا۔ خود اپنا چہرہ چادر سے ڈھک کر اپنی سو سال آٹھ ماہ اور چار روزہ زندگی کی آخری سانس لی اور خالق حقیقی سے ملنے راہ عدم کی جانب روانہ ہو گئے۔

"خان معمر" کراچی میں اپنی آخری آرامگاہ میں عجب شانِ بے نیازی اور تمکنت سے آسودہ خاک ہیں۔

؎ آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

آمین

قطعہ تاریخ

(خواجہ رضیؔ حیدر)

نشانِ مہروفا نازِ اعتبار ہوئے
وہ ایک خانِ معمر تھے ذی وقار ہوئے
اگر ہے موت ہی سچائی زندگی میں رضیؔ
غریقِ قلزمِ صادق عزیز یار ہوئے

فرزند سوگوار: محمد قدیر یار خان
ساکن: البرٹا کینیڈا

شجرہ

محمد عزیز یار خان آفریدی

(مختصر و جامع؛ بمطابق ستمبر 2024 عیسوی)

محمد عزیز یار خان آفریدی – 4 اپریل 1904 تا 8 دسمبر 2004

اہلیہ: بلقیس جہاں بیگم

وفات: 23 رمضان 1408ھ (10 مئی 1988ء)

والد: محمد سعادت یار خان آفریدی وفات 1959

والد: محمد الہ یار خان آفریدی

والد: محمد نذیر یار خان آفریدی

صاحبزادیاں

1۔انیس جہاں بیگم-1928 تا19542

2۔نفیس جہاں بیگم-1932 تا1963

3۔عزیز جہاں بیگم عرف، ریحانہ(1947 تا حال)

صاحبزادے

1۔شفیق یار خان، اچھن میاں-1930 تا20242

2۔خلیق یار خان-پتن میاں1933 تا2022

3۔عتیق یار خان، پیارے میاں-1935 تا1972

4۔وثیق یار خان، لڈن میاں-1937 تا1940

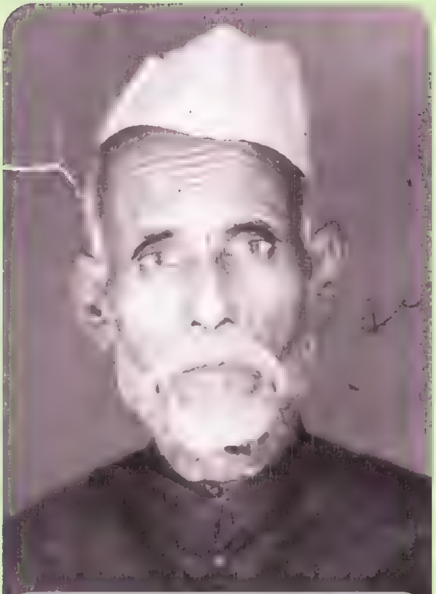
5۔عقیل یار خان، چھبن میاں-1939 تا2014

6۔شکیل یار خان،شکن میاں-1941 تا حال

7۔جمیل یار خان،نوشہ میاں-1943 تا حال

8۔مجیب یار خان،دولھا میاں-1945 تا1988

9۔قدیر یار خان،نور میاں-1952 تا حال


محمد سعادت یار خان آفریدی


محمد عزیز یار خان آفریدی یارؔ


سیدہ بلقیس جہاں بیگم


انیس جہاں بیگم



محمد شفیق یار خان



نفیس جہاں بیگم



محمد خلیق یار خان



محمد عتیق یار خان



محمد وثیق یار خان



محمد عقیل یار خان



محمد شکیل یار خان



محمد جمیل یار خان



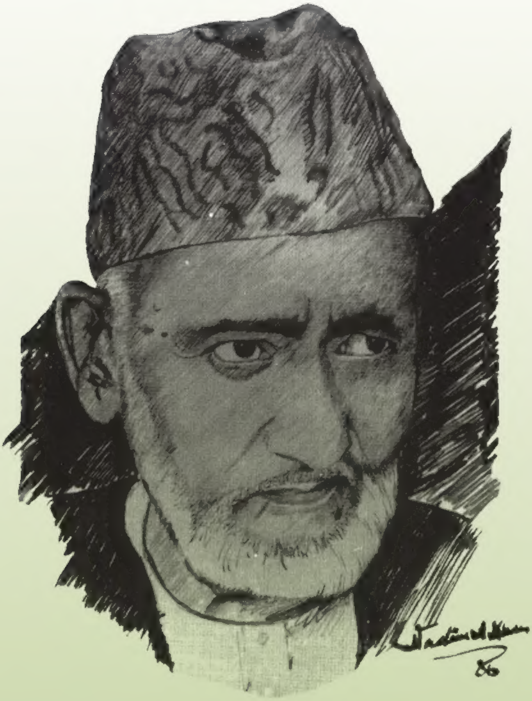
محمد مجیب یار خان



عزیز جہاں بیگم، ریحانہ



محمد قدیر یار خان



کہاں ڈھونڈوں میں یارِ بے نوا کو
نشاں کوئی سرِ منزل نہیں ہے